

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ
 چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے من کی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اسے پورا کرے گا اگرچہ کافر لوگ ناپسند ہی کریں

ڈائری حضرت مسیح موعود

یعنی

ملفوظات اہمیت

حصہ پنجم

جس میں سیدنا و مرشدنا حضرت مرزا غلام احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دینی و روحانی مسیح موعود و
 مہدی مہتو۔ مجدد چاروں صلوٰۃ و سلام کے مبارک ملفوظات

از یکم ستمبر ۱۹۰۲ء تا ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء

مرتبہ شائع کردہ

خاکسار محمد ظور الہی ممبر اہمیت پنجم اشاعت اسلام احمدیہ بلوچستان

۱۳۵۲ ہجری

تعداد طبع ۲۰۰۰
 مطبوعہ کوآپریٹو پرنس ڈپریٹڈ لاہور قیمت غیر فی کاپی
 میں باہتمام ملک فیروز الدین صاحب بیجر چھپا -

قابل توجہ

اس سے پہلے ملفوظات احمدیہ کے چار حصے ہیہ نظر میں کئے جا چکے ہیں جس میں حضرت مسیح موعودؑ کی ڈائری بہ ترتیب تاریخ مختلف اخباروں و رسالوں سے جمع کر کے شائع کی گئی تھی۔ اب یہ چوتھا پانچواں حصہ شائع کیا جاتا ہے۔ حضرت صاحب کی زندگی کے آخری چھ سات سن میں جماعت کی ترقی تعداد کے ساتھ آپ کے ساتھ ملاقات کرنے والوں اور مذہبی امور پر گفتگو کرنے والوں کا سلسلہ بھی ترقی کر گیا۔ اس لئے مختلف امور پر آپ کو تفصیلاً بیان کرنا پڑتا تھا۔ ان مبارک مکالمات کا بہت سا حصہ اخبارات و رسالہ جات کے سلسلہ میں محفوظ ہوتا چلا گیا۔ لیکن ان کا ترتیب وار کر کے شائع کرنا نہایت اہم کام تھا جس کی توفیق خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو دی ہے جو اس وقت تک کئی حصے شائع کرنے کے قابل ہو سکا ہے۔

ایک خاص امر جس کا یاد رکھنا نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس بات کا ہرگز ہرگز غم نہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان ملفوظات کا لفظ لفظ حضرت مسیح موعودؑ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہے کیونکہ آپ کے زمانہ میں خواہ کوئی شخص کتنا ہی زود نویسی کا مدعی ہو وہ یہ دعویٰ نہ کر سکتا تھا کہ اس نے آپ کا ہر ایک لفظ محفوظ کر لیا تھا بعض وقت تو لکھنے والے نے آپ کے چند اہم الفاظ بطور یادداشت لکھ لئے یا آپ کی گفتگو کا صرف مطلب ہی یاد رکھا اور بعد ازاں اسے اپنے الفاظ میں لکھ لیا۔ اور بعض وقت ممکن ہے کہ خود حضرت صاحب کے ہی بہت سے الفاظ محفوظ کر لئے ہوں اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ بعض اہم امور کی تفصیل اور تفسیر کے لئے آپ کی خود نوشت تحریریں کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور محض تقریریں کے الفاظ پر بھروسہ نہ رکھا جائے۔

خاکسار محمد منظور الہی (خان صاحب)

احمدیہ پبلنگس لاہور

مرزا اعظم بیگ
صاحب خان

۱۸ اگست ۱۹۰۲ء بعد نماز مغرب

پوتے مرزا احسن بیگ صاحب نے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی جس پر حضرت صاحب نے فرمایا کہ :-

بیعت اگلے جمعہ کے دن کر لینا۔ مگر یہ یاد رکھو کہ بیعت کر لینے کے بعد تبدیلی کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اگر بیعت کے بعد اپنی حالت میں تبدیلی نہ کی جائے تو پھر یہ استغاف ہے۔ بیعت باز بچہ اطفال نہیں ہے۔ اور حقیقی بیعت وہی شخص کرتا ہے جس کی پہلی زندگی پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ اور ایک نئی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ بیعت کنندہ کو ہر ایک امر میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ پہلے تعلقات معدوم ہو کر نئے تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم مسلمان ہوئے تھے۔ تو بعض کو ایسے امور پیش آتے تھے کہ اسباب اور رشتہ داروں وغیرہ سب سے الگ ہونا پڑتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے ابو جہل سے ملا کرتے تھے۔ بلکہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابو جہل نے منصوبہ کیا کہ آنحضرت کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور کچھ روپیہ بھی لٹور انعام مقرر کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کام کے سرانجام دینے کے لئے منتخب ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تلوار کو تیز کیا۔ اور موقع کی تلاش میں رہے۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ ملا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے وقت کعبہ میں تشریف لیجا کر نماز ادا فرمایا کرتے ہیں۔ پس وہ کعبہ میں جا کر چھپ رہے۔ اور انہوں نے سنا کہ جنگل کی طرف سے لا الہ الا اللہ کی آواز آتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ قریب آتی گئی اور حضرت نبی کریم کعبہ میں آ داخل ہوئے۔ اور نماز ادا فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے سجدے میں اس قدر مناجات کی کہ مجھے تلوار چلانے کی ہرأت ہی نہ رہی۔ چنانچہ جب آپ ص نماز سے فارغ ہو گئے۔ اور گھر کی طرف چل پڑے تو پیچھے پیچھے میں تھا۔ آنحضرت کو میرے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ تو آپ نے پوچھا۔ کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ عمر اس پر آپ نے فرمایا کہ اے عمر نہ تو دن کو میرا پیچھا پھوٹتا ہے۔ اور نہ رات کو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت

کے اس قول سے مینے محسوس کیا۔ کہ اب آپؐ بد دعا کرینگے۔ اسلئے مینے کہا۔
 کہ حضرتؑ آج کے بعد میں آپؐ کو ایذا نہ دوں گا۔ عربوں میں چونکہ وعدہ کے
 ایفاء کا لحاظ بہت بڑا ہوتا تھا۔ اسلئے آنحضرتؐ نے اس پر یقین کر لیا۔ لیکن دراصل
 حضرتؑ عمر رضی کی ہدایت کا وقت آپؐ پہنچا تھا۔ آنحضرتؐ کے دل میں گذرا کہ خدا سے
 ضائع نہیں کریگا۔ چنانچہ آخر کار حضرتؑ عمر رضی مسلمان ہو گئے۔ اور پھر سابقہ
 دوستیاں اور تعلقات جو ابو جہل اور دیگر مخالفین سے تھے یک لخت ٹوٹ گئے
 اور انکی بجائے ایک نئی اخوت قائم ہو گئی۔ حضرتؑ ابو بکر رضی اور دوسرے صحابہ رضی
 مل گئے۔ اور پھر اسلام لانے کے بعد انہوں نے سابقہ تعلقات کی طرف خیال تک بھی نہ کیا۔
 عرض اس سلسلہ میں جو ابتلاؤں کا سلسلہ ہوتا ہے۔ بہت سی ٹھوکریں کھانی پڑتی
 اور بہت سی موتوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں۔ کہ ان
 انسانوں میں سے جو اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔ بعض بزدل بھی ہوتے ہیں۔
 اور کئی شجاع بھی ہوتے ہیں۔ پھر بعضوں کی بزدلی یہاں تک بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔
 کہ وہ اپنی قوم کی کثرت کو ہی دیکھ کر ہم سے الگ ہو جاتے ہیں لیکن ایک وقت ایک بات
 تو پوری کر لیتا ہے۔ لیکن ابتلاء کے وقت مستقل مزاج رہنا بڑا مشکل ہے۔
 اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَحْسِبِ النَّاسُ اَنْ يَّتَذَكَّرُوْا اَنْ يَقُوْلُوْا
 اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ یعنی کیا لوگ یہی سمجھتے ہیں۔ کہ ایمان لے آئیں اور امتحان
 نہ ہو۔ عرض امتحان ضروری شے ہے۔ اس سلسلہ میں جو شخص داخل ہوتا ہے۔
 وہ ابتلاء سے خالی نہیں رہ سکتا۔ ہمارے بہت سے دوست ایسے ہیں۔ کہ وہ
 ہماری طرف ہیں۔ اور ان کے باپ ان سے الگ ہیں۔ (الحکم جلد ۶ غصہ)

دوران گفتگو

۹ اگست ۱۹۰۲ء بعد از نماز مغرب

میں حضرت

مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ :-

متقی کا منہ تو ایسے بند ہوتا ہے۔ جیسا منہ میں روڑے ڈالے ہوئے ہوں
 متقی کبھی کفر کا دائرہ وسیع نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ اسکے خلاف وہ ایمان کا دائرہ
 وسیع کرنا چاہتا ہے۔ ان مخالف مولویوں کے بارے میں میرا خیال تھا۔ کہ

ان میں صفائی نہیں ہے۔ اور وہ ملوٹی سے ضرور بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ میرے
 وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ ان سے یہ کینہ پن ظاہر ہو گا۔ جو انہوں نے اب میری
 مخالفت میں ظاہر کیا ہے۔ چونکہ عمر گزرتی جاتی ہے۔ جیسا کہ برف پگھلتی ہے۔
 اسلئے ہر روز مجھے یہ خیال آتا ہے۔ کہ کوئی آدمی ایسا ہو۔ جو ان کے پاس
 جاوے اور ان کو فیصلہ کی راہ پر لے آوے اور انہیں بتائے۔ کہ ایک وہ وقت
 تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ میری دعا ان الفاظ میں نقل فرماتا ہے۔ **وَبَلَّاتُنْزِلْنٰی فُرْقَانًا**
اَوْ رِبًّا اَوْ رِنٰی کَیْفَ تَحْجِی الْمَوْتٰی۔ وہ زمانہ کہاں کہ دو آدمی بھی ثابت کرنے
 مشکل ہیں۔ اور یا اب یہ زمانہ۔ کہ لوگوں کی فوجوں کی فوجیں میرے پاس آرہی ہیں
 قبل از وقت جیسا کہ اسنے فرمایا تھا۔ ویسا ہی کر دیا۔ اور کر رہا ہے۔ اور یہ امر
 لوگوں کی نظروں میں عجیب ہے۔ اگر کوئی شخص سمجھنے والا ہو۔ تو اسے اچھی طرح
 معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت قدیمہ کے مطابق کیا۔ اور جس طرح
 رسل آتے ہیں۔ وہ اسی طرح پہنچانے جاتے ہیں مجھے انہیں آثار اور نشانات کے
 ساتھ شناخت کرو۔ جو خدا کی طرف سے آتے ہیں۔ وہ خدا کی حکم ہدایات کے
 خلاف نہیں کرتے۔ ایسا نہیں۔ کہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دیں۔ دوسرے وہ
 ایسے وقت میں آتے ہیں۔ کہ وہ ضرورت کا وقت ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ تائید الہی
 کے بدوں نہیں ہوتے۔ صریح نظر آتا ہے۔ کہ خدا ان کی تائید کر رہا ہے۔ جہاں
 تک میں خیال کرتا ہوں سچائی کے پہچاننے کی تین ہی راہ ہیں۔ اول نصوص قرآنیہ و حدیثیہ
 دوسرے عقل تیسرے خدا تعالیٰ کی تائیدات۔ ان تینوں فریعوں سے جو چاہے
 ہم سے ثبوت لے۔ مگر انسان بنکر نہ سفلہ پن کی طرح۔ ہم سب کو دعوت
 دیتے ہیں خواہ سوروپیہ روزانہ خرچ ہو جائے۔ اگر آدمیت سے پوچھ لیں۔
 اب دور بیٹھے ہیں۔ نہ کتاب ہے نہ غور ہے نہ فکر ہے۔ سفلہ لوگوں کی طرح
 بلکہ ان سے بھی بدتر کام کرتے ہیں۔ یہ طریق تو تقویٰ کے خلاف ہے۔ اگر
 کوئی انسان ایسا ہو۔ جو ان پر رعب داب رکھتا ہو۔ وہ انہیں جا کر سمجھائے
 دنیا دار لوگ اگر ان کو لکھیں تو ان سے ڈرتے ہیں۔ خدا کرے کہ کوئی ایسا
 دنیا دار ہو۔ جس کو اس طرف توجہ ہو۔ اور ان کو سمجھائے۔ اور یہی خیال کرے

کہ اسلام میں پھوٹ پڑ رہی ہے۔ اسکے بھی دور کیا جائے۔ غرض ہم تو چاہتے ہیں۔ لیکن آسمان کا پانی کون بند کر سکتا ہے۔ یہ خدا کے کام ہیں۔ چلارغ کو تو پھونک مار کر بجھا سکتے ہیں لیکن کوئی شخص سورج اور چاند کو تو بجھا کر دکھلا دے۔ خدا کے کام نہایت اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں۔ انسان کی وہاں پیش نہیں جاتی۔ وہاں نہ غبارہ ہے۔ اور نہ ریل۔ یہ بھی عظمت الہی ہے تعالیٰ شانہ کا مصداق ہے۔ آسمانی امور اعلیٰ مقام پر ہوتے ہیں۔ یہ تو آگے ہی آگے جاتے ہیں رالحکم جلد ۶ ص ۳۴

عصمت انبیاء کے بارے میں
اگست ۱۹۰۲ء حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ :-

معصوم ہونے کے اسباب اور معصوم بنانے کے اسباب جس قدر ہمارے نبی کریم ص کو میسر آئے تھے۔ وہ کسی دوسرے نبی کو کبھی نہیں ملے۔ اسی لئے عصمت کے مسئلہ میں آنحضرت ص جس مقام اور درجہ پر ہیں۔ وہاں کوئی شخص کبھی معصوم نہیں ہے۔ خود بخود کوئی شخص معصوم نہیں بن سکتا۔ بلکہ کسی کا معصوم بنانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ جس شخص کو کثیر التعداد مال مل گیا ہو۔ اسے کیا ضرورت پڑی ہے۔ کہ وہ چھری کرتا پھرے۔ لیکن جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی ماری ہے۔ اور روٹیوں کا محتاج ہے۔ اس سے تو ممکن بلکہ قرین قیاس ہے۔ کہ اگر پاخانہ میں ایک کورٹی بھی پڑی ہو۔ تو وہ اسے اٹھا لینے میں کوئی مضائقہ اور دریغ نہ کریگا۔ حضرت نبی کریم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل تھا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔ اور اصل بات بھی یہی ہے۔ کہ انسان صرف فضل سے ہی بچ سکتا ہے۔ پس جس شخص پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہو۔ اور جسے کل دنیا کے لئے مبعوث کیا گیا ہو۔ اور جو رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ہو کر آیا ہو۔ اس کی عصمت کا اندازہ بھی اس کے درجہ سے ہو سکتا ہے۔ جو شخص ایک عظیم الشان بلندی پر کھڑا ہو۔ اس کا مقابلہ نیچے کھڑا ہوا۔ کیسے کر سکتا ہے؟ حضرت مسیح کی ہمت اور دعوت صرف بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں تک محدود تھی۔ اس لئے اس کی عصمت کا درجہ بھی اسی حد تک ہونا چاہئے۔ لیکن اسکے خلاف جو شخص کل عالم کی

نجات اور رستگاری کے واسطے آیا تھا۔ ایک دشمنند آدمی خود ہی سوچ سکتا ہے۔ کہ اسکی تعلیم کیسی عالمگیر صداقتوں پر مشتمل ہوگی۔ اور اسی لئے وہ اپنی تعلیم میں کس درجہ کا معصوم ہوگا۔ حضرت مسیح کو ان کے پیرو ایک بار چھوڑ نہرا بار کہیں۔ کہ وہ خدا ہیں۔ لیکن کون شخص ان کی خدائی کو مان سکتا ہے۔ جبکہ انسانیت کا اقبال بھی اُن کے وجود میں نظر نہیں آتا۔ دشمنوں کے نرغے میں پھنس جاتے ہیں۔ اور ان سے طمانچہ کھاتے ہوئے۔ صلیب پر لٹکائے جاتے ہیں۔ باوجودیکہ اُن کے مخالف ان پر طعن کرتے ہیں۔ کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے۔ تو صلیب پر سے اُتر آ۔ لیکن آپ خاموش ہیں۔ اور ایسے نازک وقت میں بھی اپنی خدائی کا کوئی کرشمہ نہیں دکھاتے اس کے خلاف ہمارے نبی کریم کی مخالفت میں خسرو پرویز شاہ ایران نے منصوبہ کیا۔ اور آپ کو گرفتار کر کے قتل کر دینا چاہا۔ لیکن خود اسی رات اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ اُدھر حضرت مسیح کو ایک معمولی چیرا سی پکڑ کر لے جاتا ہے۔ اور ان کے ساتھ تائید الہی کا کوئی پتہ نہیں ملتا غرض جس قدان امور کی چھان میں اور تنقیح کیجائیگی۔ اسی قد حضرت نبی کریم کے مدایج عائیہ ثابت ہونگے اور آپ ایک بلند مینار پر کھڑے نظر آئینگے۔ اور آپ کے مقابلہ میں حضرت مسیح بہت ہی نیچے کھڑے ہونگے۔ اس سے بڑھ کر حضرت نبی کریم کی عصمت اور فضیلت کیا ہوگی۔ کہ تیرہ سو برس کے بعد اپنے نفوس طیبہ و قدسیہ سے ایک انسان کو لیا کرتے ہیں۔ جو مسیح ابن مریم پر فضیلت پاتا ہے۔ بلحاظ اپنے کام اور کامیابی کے یعنی مسیح موعود سے مقابلہ کرنے میں بھی حضرت مسیح اپنی کامیابی اور بعثت کے لحاظ سے کم ہے۔ کیونکہ مسیح محمدی محمدی کمالات کا جامع ہے۔ جیسے آنحضرتؐ میں تمام نبیوں کے کمالات یک جا جمع تھے۔ اس لئے مسیح موعود جو آنحضرتؐ کا بروزی ظہور ہے۔ ان کمالات کو اپنے اندر رکھتا ہے اور اپنی دعوت کی وجہ سے مسیح ابن مریم سے بڑھ کر ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ حضرت مسیح کو جو آسمان پر چڑھایا جاتا ہے۔ تو سوال ہو سکتا ہے۔ کہ وہ آسمان پر کیوں چڑھے۔ اور کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟ عقل اسکے لئے تین شقیں

تجویر کرتی ہے۔ اور ان تینوں صورتوں میں مسیح کا صعود ثابت نہیں ہو سکتا۔ شق
اول صلیب کی لعنت سے بچنے کیلئے۔ کیونکہ تورات میں لکھا ہوا تھا۔ کہ جو شخص
صلیب پر لٹکا یا جائے۔ وہ ملعون ہوتا ہے۔ اب اگر مسیح کے صعود اے السماء سے
بیغرض تھی۔ کہ وہ اس لعنت سے بچ رہیں تو اس رفع اے السماء کے لئے ضروری
ہے۔ کہ پہلے طبعی موت ہو۔ کیونکہ یہ رفع وہ ہے جو قرب الہی کا مفہوم ہے۔
اور جو بعد موت ملتا ہے۔ اس لئے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ سَافِعُکَ اِلَیْہِ کہا گیا۔
اور یہ وہی رفع ہے جو اِذْ جِئَیْ اِلَیْ سَرِّیْکَ رَاضِیَۃً مَّوْضِیَۃً میں اللہ تعالیٰ
نے بیان فرمایا ہے۔ اور مفتی لہم الاولیاء سے پایا جاتا ہے۔ غرض اس رفع
کے لئے جو لعنت سے بچنے کے لئے ہو۔ اور جو قرب الہی کے معنوں میں ہے۔
تو یہ بجز موت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لعنت کی ضد رفع وہی ہے جس سے
قرب الہی حاصل ہو۔ پھر جو لوگ ہمارے مخالف ہیں۔ وہ چونکہ مسیح کی موت کے قائل
نہیں اسلئے ان کے اعتقاد کے مطابق مسیح کا ابھی رفع نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ رفع
انسان کی آخری زندگی کا نتیجہ ہے۔ اور یہ انہیں حاصل نہیں ہوا۔ پس اس شق
کے لحاظ سے تو ان کا آسمان پر چڑھنا باطل ہوا۔ دوسری شق یہ ہے
کہ رفع الی السماء سے یہ غرض ہو سکتی ہے کہ حضرت مسیح ؑ کوئی نشان
دکھانا چاہتے تھے۔ لیکن یہودی جنکو نشان دکھانا مقصود تھا۔ وہ اب تک ان
کے منکر ہی چلے آتے ہیں۔ انہوں نے عین صلیب کے وقت حضرت مسیح
سے نشان مانگا تھا۔ لیکن اس وقت بھی انہیں کوئی نشان نہ دکھایا گیا۔
پھر ایک نشان جو ان کو دکھانا مقصود تھا۔ وہ بجز شاگردوں کے کسی اور کو نہ
دکھایا گیا۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں چاہئے تو یہ تھا کہ صلیب پر جب ان سے
نشان مانگا گیا تھا۔ تو اس وقت نشان دکھاتے یا کہہ دیتے۔ کہ وہ آسمان
پر اڑ جانے کا نشان تم کو دکھاؤں گا۔ اور صعود کے دن سب کو پکار کر کہہ دیتے
کہ۔ آؤ اب دیکھ لو۔ میں آسمان پر جاتا ہوں۔ پھر جب اس قسم کا کوئی واقعہ
یہودیوں نے نہیں دیکھا۔ اور اب تک ہنسی اڑاتے ہیں۔ اور خطرناک اعتراضات
کرتے ہیں۔ تو یہ غرض بھی ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت مسیح ؑ کے مقابلہ میں ہمارے

نشانوں کو دیکھو۔ کہ کیسے واضح اور صاف ہیں۔ اور لاکھوں انسان ان میں سے
 بعض کے گواہ ہیں۔ براہین احمدیہ میں یہ الہام ۲۳ برس سے زیادہ عرصہ ہوا ہے
 دج چہ یاتون من کل فج عَمِیق۔ اب اس کے بارے میں مولوی محمد حسین
 صاحب سے ہی پوچھو۔ کہ جب اس نے براہین احمدیہ پر ریویو لکھا تھا۔ کس قدر
 لوگ یہاں آئے تھے۔ اور کہاں سے آتے تھے۔ اور اب تو آنے والوں کے
 بارے میں ہم سے دریافت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ پولس کا ایک کاشٹبل
 یہاں رہتا ہے۔ جو آنے والے مہمانوں کی ایک فہرست تیار کر کے اپنے افسروں
 کے پاس بھیجا کرتا ہے۔ ان کے کاغذات کو کوئی جا کر دیکھ لے۔ تو اسے معلوم ہو
 جائیگا۔ کہ یہ پیشگوئی کس شان اور عظمت سے پوری ہو رہی ہے۔ یہاں تک
 کہ بر آنے والا شخص اسے پورا کرتا ہے۔ اسی طرح اس کا دوسرا حصہ یَا نِیْکَ
 مِنْ کُلِّ فَج عَمِیق۔ دیکھ لو۔ کہاں کہاں سے تحفے تحائف چلے آتے ہیں۔ اور
 روپیہ آتا ہے۔ اسکے لئے بھی ڈاک خانہ کے کاغذات اور محکمہ پلوے کے
 رجسٹر شہادت کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔ اب ان نشانوں کا ذرہ مسیح کے
 نشانوں سے مقابلہ کر کے دکھاؤ۔ وہاں تو یہودی دو ہائی دیتے ہیں۔ کہ انہوں نے
 کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اگر یہودی ان کے نشانات کو دیکھ لیتے۔ تو کیوں انکار
 کرتے۔ اور یہاں مخالف تک اسباب کے گواہ ہیں۔ اور بھی صد ہا نشانات اس
 قسم کے ہیں۔ جنکو اگر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے۔ تو کئی کتابوں کی ضرورت
 پڑے۔ تیسری شق مسیح کے صعود کے متعلق یہ ہو سکتی ہے۔ کہ انکی غرض فرار
 کی تھی۔ جو بالبداہت باطل ہے۔ کیا زمین پر کوئی جگہ نہ تھی اور صُریٰ بن علیہم
 الذلۃ والسکنتہ کے مصداق یہودیوں سے پھر اتنا خوف ہوا۔ کہ پہلے
 آسمان پر بھی نہ ٹہر سکے۔ غرض جس پہلو سے اس مسئلہ کو دیکھا جائے۔ وہ غلط
 ثابت ہوتا ہے۔ اسکے صحیح ہونے کی ایک صورت ہے۔ کہ انہوں نے اپنی
 طبعی موت سے جان دی۔ اور پھر دوسرے مقربوں کی طرح خدا نے ان کا رفع
 کر دیا۔ بغیر اسکے اور کوئی صورت ایسی نہیں۔ جو اعتراضات سے خالی ہو۔
 توجہ کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ :-

علاج کی چار صورتیں تو عام ہیں۔ دوا سے۔ غذا سے۔ عمل سے پرہیز سے
 علاج کیا جاتا ہے۔ ایک پانچویں قسم بھی ہے۔ جس سے سلب امراض ہوتا ہے
 وہ توجہ ہے۔ حضرت مسیح ؑ اسی توجہ سے سلب امراض کیا کرتے تھے۔ اور یہ
 سلب امراض کی قوت مومن اور کافر کا امتیاز نہیں رکھتی۔ بلکہ یہاں تک کہ اس
 کیلئے نیک چلن ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ نبی اور عام لوگوں کی توجہ میں اتنا
 فرق ہوتا ہے۔ کہ نبی کی توجہ کبھی نہیں ہوتی بلکہ وہی ہوتی ہے۔ آجکل ڈوٹی جو
 بڑے بڑے دعوے کرتا ہے۔ یہ بھی وہی سلب امراض ہے۔ توجہ ایک ایسی
 چیز ہے۔ کہ اس سے سلب ذنوب بھی ہو جاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم کی توجہ اور
 حضرت مسیح کی توجہ میں یہ فرق ہے۔ کہ حضرت مسیح کی توجہ سے تو سلب امراض
 ہوتا تھا۔ لیکن ہمارے نبی کریم کی توجہ سے سلب ذنوب ہوتا تھا۔ اور اسی وجہ
 سے آپ کی قوت قدسی کمال کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ دعا بھی توجہ ہی کی ایک
 قسم ہوتی ہے۔ توجہ کا سلسلہ کڑیوں کی طرح ہوتا ہے۔ جو لوگ حکیم اور ڈاکٹر
 ہوتے ہیں۔ ان کو اس فن میں بھارت پیدا کرنی چاہیئے۔ حضرت مسیح ؑ کی توجہ
 چونکہ زیادہ تر سلب امراض کی طرف تھی۔ اسلئے سلب ذنوب میں ان کے کامیاب
 نہ ہونے کی یہی وجہ تھی۔ کہ جو جماعت انہوں نے تیار کی۔ وہ اپنی صفائی نفس اور
 تزکیہ باطن میں ان مدارج کو پہنچ نہ سکی۔ جو جلیل الشان صحابہ کرام علیہ السلام اور رسول
 کریم کی قوت قدسی یہاں تک با اثر تھی۔ کہ آج اس زمانہ میں بھی تیرہ سو برس کے
 بعد سلب ذنوب کی وہی قوت اور تاثیر رکھتی ہے۔ جو اس وقت رکھتی تھی۔
 مسیح اس میدان میں رسول اللہ کا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتا۔

کافر اور مومن کی روایا کے فرق کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ فرمایا کہ۔
 اللہ تعالیٰ نے وحی اور الہام کا مادہ ہر شخص میں رکھ دیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ
 مادہ نہ رکھا ہوتا۔ تو پھر حجت پوری نہ ہو سکتی۔ اسلئے جو نبی آتا ہے۔ اس کی نبوت
 اور وحی والہام کے سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت میں ایک
 ودیعت رکھی ہوئی ہے۔ اور وہ ودیعت خواب ہے۔ اگر کسی کو کوئی بھی
 خواب کبھی نہ آئی ہو۔ تو وہ کیونکر مان سکتا ہے۔ کہ الہام اور وحی بھی کوئی چیز ہے۔

اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ صفت ہے۔ کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اس لئے یہ مادہ اسنے سب میں رکھ دیا ہے۔ میرا یہ مذہب ہے۔ کہ ایک بدکار اور فاسق اور فاجر کو بھی بعض وقت سچی رو یا آجاتی ہے۔ اور کبھی کبھی کوئی الہام بھی سوجاتا ہے۔ گو وہ شخص اس کیفیت سے کوئی فائدہ اٹھاوے۔ یا نہ اٹھاوے۔ پس جبکہ کافر اور مومن دونوں کو سچی رو یا آجاتی ہے۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ میرے نزدیک عظیم الشان فرق تو یہ ہے۔ کہ کافر کی رو یا بہت ہی کم سچی نکلتی ہے۔ لیکن مومن کی کثرت سے سچی نکلتی ہے۔ گویا تھکا فرق کثرت اور قلت کا ہے۔ دوسرا مومن کے لئے بشارت کا حصہ زیادہ ہے جو کافر کی رو یا میں نہیں ہوتا سو مومن کی رو یا مصفا اور روشن ہوتی ہے۔ لیکن ایک کافر کی رو یا مصفا نہیں ہوتی چہاں مومن کی رو یا اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔

اپنی جماعت کے لئے واعظین کے بارہ میں فرمایا کہ :-

یہ امر بہت ضروری ہے۔ کہ ہماری جماعت کے واعظ تیار ہوں۔ لیکن اگر دوسرے واعظوں اور ان میں کوئی امتیاز نہ ہو۔ تو فضول ہے۔ یہ واعظ اس قسم کے ہونے چاہئیں۔ جو پہلے اپنی اصلاح کریں۔ اور اپنے چلن میں ایک پاک تبدیلی کر کے دکھائیں۔ تاکہ اُن کے نیک نمونوں کا اثر دوسروں پر پڑے۔ عملی حالت کا عمدہ ہونا یہ سب سے بہترین وعظ ہے۔ جو لوگ صرف وعظ کرتے ہیں۔ لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ وہ دوسروں کو عمل نہیں کرا سکتے اور دوسروں پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈال سکتے۔ بلکہ ان کا وعظ بعض اوقات اباحت پھیلانے والا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سننے والے جب دیکھتے ہیں۔ کہ وعظ کہنے والا خود اپنے وعظ پر عمل نہیں کرتا۔ تو وہ ان باتوں کو بالکل خیالی سمجھتے ہیں۔ اسلئے سب سے اول جس چیز کی واعظ کو ضرورت ہے۔ وہ اسکی عملی حالت کی اصلاح ہے۔ دوسری بات جو ان واعظوں کے لئے ضروری ہے۔ وہ بیہوشی ہے۔ کہ ان کو ہمارے عقائد اور مسائل کا صحیح علم اور واقفیت ہو۔ جو کچھ ہم دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کو انہوں نے پہلے خود اچھی طرح پر سمجھ لیا ہو۔ اور ناقص اور ادھورا علم نہ رکھتے ہوں۔ تاکہ مخالفوں کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔ اور جب کسی نے کوئی اعتراض کیا۔ تو گہرا تجاؤں سے اب اس کا کیا

جواب دیں۔ غرض علم صحیح ہونا ضروری ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے۔ کہ ایسی قوت اور شجاعت پیدا ہو۔ کہ حق کے طالبوں کے واسطے ان کی زبان اور دل ہو۔ یعنی پوری دلیری اور شجاعت کے ساتھ بغیر کہتی قسم کے خوف و ہراس کے اظہار حق کے لئے بول سکیں۔ اور حق گوئی کے لئے ان کے دل پر نہ کسی دو لقمہ کا متول یا بھاد کی شجاعت یا حاکم کی حکومت کوئی اثر پیدا نہ کر سکے۔ یہ تین چیزیں جب حاصل ہو جائیں تب ہماری جماعت کے وعظ مفید ہو سکتے ہیں۔ یہ باتیں شجاعت اور ہمت اور ایک کشش پیدا کرینگی۔ کہ جس سے دل اس سلسلہ کی طرف چلے چلے آئینگے۔ مگر یہ کشش اور جذبہ و چیزوں کو چاہتی ہے۔ جن کے بغیر یہ پیدا نہیں ہو سکتی۔ اول پورا علم ہو۔ دوم تقوئے ہو۔ کوئی علم بدوں تقوئے کے کام نہیں دیتا ہے۔ اور تقوئے بدوں علم کے نہیں ہو سکتا۔ سختہ اللہ یہی ہے۔ جب انسان پورا علم حاصل کر لیتا ہے تو اسے اپنی بد علی کی وجہ سے حیا اور شرم بھی انگلیہ ہو جاتی ہے پس ان تینوں باتوں میں ہمارے واعظ کامل ہونے چاہئیں۔ اور یہ ہیں اس لئے چاہتا ہوں۔ کہ ہمارے نام اکثر خطوط باہر سے آتے ہیں۔ کہ فلان سوال کا کیا جواب ہے۔ یا فلان شخص فلان اعتراض کرتا ہے اسے کیا جواب دیا جائے یا اب ان خطوط کے کس قدر جواب لکھے جاویں۔ اگر یہ لوگ خود علم صحیح اور پوری واقفیت حاصل کریں اور ہماری کتابوں کو غور سے پڑھیں۔ تو وہ ان مشکلات میں مبتلا نہ ہوں۔

جماعت کو عمل کی ضرورت کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔
باد رکھو۔ کہ ہماری جماعت اس بات کے لئے نہیں ہے جیسے عام دنیا دار زندگی بسر کرتے ہیں۔ کہ نرا زبان سے کہہ دیا۔ کہ ہم اس سلسلہ میں داخل ہیں۔ اور عمل کی ضرورت نہ سمجھی جیسا کہ بد قسمتی سے مسلمانوں کا حال ہے۔ کہ حیب اُن سے پوچھو کہ تم مسلمان ہو؟ تو کہتے ہیں شکر الحمد للہ مگر نماز نہیں پڑھتے۔ اور شعائر اللہ کی حرمت نہیں کرنے۔ پس میں تم سے یہ نہیں چاہتا۔ کہ صرف زبان سے ہی اقرار کرو۔ اور عمل سے کچھ نہ کھاؤ یہ نکمی حالت ہے خدا تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا۔ اور دنیا کی اس حالت نے ہی تقاضا کیا۔ کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اصلاح کے لئے کھڑا کیا ہے۔ پس اگر اب کوئی شخص میرے ساتھ تعلق رکھ کر بھی اپنی حالت

کی اصلاح نہیں کرتا۔ اور اپنی علی قوتوں کو ترقی نہیں دیتا۔ بلکہ صرف ربانی اقرار کو ہی کافی سمجھتا ہے۔ وہ گویا اپنے عمل سے میری عدم ضرورت پر زور دیتا ہے۔ پھر اگر تم اپنے عمل سے ثابت کرنا چاہتے ہو کہ میرا آنا بے سود ہے۔ تو پھر میرے ساتھ تعلق کرنے کے کیا معنی ہیں؟ میرے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہیں۔ تو میری اغراض اور مقاصد کو پورا کرو۔ اور وہ یہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنا اخلاص اور وفاداری دکھاؤ۔ اور قرآن شریف کی تعلیم پر اسی طرح عمل کرو جس طرح رسول اللہؐ نے کر کے دکھایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا۔ قرآن شریف کے صحیح منشا کو معلوم کرو۔ اور اس پر عمل کرو۔ خدا تعالیٰ کے حضور اتنی ہی بات کافی نہیں ہو سکتی کہ زبان سے اقرار کر لیا۔ اور عمل میں کوئی روشنی اور سرگرمی نہ پائی جائے۔ خوب یاد رکھو کہ جماعت جو خدا تعالیٰ قائم کرنی چاہتا ہے۔ وہ عمل کے بہوں زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ وہ عظیم الشان جماعت ہے جس کی طیاری حضرت آدمؑ کے وقت سے شروع ہوئی ہے۔ کوئی نبی دُنیا میں نہیں آیا جس نے اس دعوت کی خبر نہ دی ہو۔ پس اسکی قدر کرو۔ اور اسکی قدر یہی ہے کہ اپنے عمل سے ثابت کر کے دکھاؤ کہ اہل حق کا گروہ تم ہی ہو۔

سچا ہادی خائن نہیں ہوتا کہ بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ :-
جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آتا ہے۔ اُس کا فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی جماعت کی کمزوری کو دور کرے۔ سچا ہادی کبھی خیانت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو۔ کہ جس طرز اور چال پر کوئی چلے۔ خواہ اُسکی زندگی اللہ اور اُس کے رسول کے حکم کے خلاف ہی ہو۔ وہ پرواہ نہ کرے۔ تو سمجھ لو کہ وہ خدا کی طرف سے اصلاح کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ شیطان اس کا قرین ہے۔ سچا ہادی جو بُرائی دیکھتا ہے اسکی اصلاح کرتا ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ وہ کسی کی ذلت اور رسوائی نہیں کرنا چاہتا۔ مگر ریض کے امراض کو شناخت کر کے انکا علاج بتاتا ہو۔ خدمت دین بھی عمر بڑھاتی ہے۔ اسکے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ :-
جو لوگ دین کیلئے سچا جوش رکھتے ہیں ان کی عمر بڑھائی جاوے گی اور حدیثوں میں جو آیا ہے کہ مسیح موعود کے وقت عمریں بڑھادی جاوے گی اسکے معنی مجھے سمجھانے

گئے ہیں۔ کہ جو لوگ خادمِ دین ہونگے۔ ان کی عمریں بڑھائی جاوینگی۔ جو خادم نہیں ہو سکتا۔ وہ بڑھے بیل کی مانند ہے کہ مالک جب چاہے اسے فوج کر ڈالے اور جو سچے دل سے خادم ہیں۔ وہ خدا کا عزیز ٹھہرتا ہے۔ اور اس کی جان لینے میں خدا تعالیٰ کو تردد ہوتا ہے۔ اسلئے فرمایا۔ **وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمُكِّثُ فِيهِ الزَّمَانُ** (الحکم جلد ۱ ص ۱۷۱) جہاد کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ۔

ہمارے اس زمانہ میں کوئی مخالف تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ نہیں کرتا۔ بلکہ یہ گورنمنٹ عالیہ مسلمانوں کے خون اور عزت اور مال کی ایسی ہی محافظ ہے۔ جیسا کہ ایک عیسائی کی۔ پھر ایسے وقت میں بغاوت کا خیال دل میں لانا بجز خست باطن اور کیا ہے ؟ اسجگہ ایک علمی نکتہ یاد رکھنا چاہیئے۔ جس کے سمجھنے سے ایسے بے ہودہ خیال ایک دم کے لئے بھی دل میں نہیں ٹہر سکتے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جہاد خدا کی جلالی صفت کا ایک نتیجہ ہے۔ اور ترک جہاد اس کے جمالی محاذ کا اثر۔ اور ابتدا اس کی اس طرح پر ہوئی۔ کہ خدا تعالیٰ نے پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد اس زمانہ میں جبکہ فرعون مصر کا باو شاہ اپنے ظلم میں حد سے بڑھ گیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو اپنا نبی مقرر کر کے اس کی طرف بھیجا۔ اور حضرت موسیٰؑ کو معجزات بھی جلالی دئے۔ اور شریعت بھی جلالی دئی۔ معجزات اس لئے جلالی تھے۔ کہ وہ فرعون جیسے ایک سرکش اور مغرور اور متکبر کو دکھائے گئے تھے۔ اور شریعت اسلئے جلالی تھی۔ کہ بنی اسرائیل جن کو یہ شریعت ملی تھی۔ چار سو برس تک فرعون کی غلامی میں رہ چکے تھے۔ اور اس رزیل زندگی کی وجہ سے جیل کے بعض قیدیوں کی طرح سخت دل ظالم طبع سفہ مزاج۔ پست خیال۔ بہائم سیرت۔ کینہ ور۔ زود رنج۔ اور نہایت بد چہن ہو گئے تھے۔ اور پھر فرعون کے ہلاک ہونے کے بعد ایک دفعہ نو دولت ہونے کی وجہ سے اور آرام اور عیش کے اسباب فوق العادہ مہیا ہونے کے سبب سے تکبر۔ خود پسندی۔ اور بیجا حکومت کا لہندہ ان کے دل میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اور ایذا رسانی و دل آزاری ان کی عادت ہو گئی تھی۔ ان وجوہات کے باعث وہ اس قابل ہو گئے۔ کہ ان کے لئے جلالی شریعت نازل ہو۔ جو ہمیشہ ان کو اپنے تازیانہ سے عدل سکھلاتی رہے۔ اور جس میں قصاص کا پورا بند و بست ہو۔

کیونکہ اس سے پہلے ان کو عدل کے لئے کوئی قانون نہیں دیا گیا تھا۔ سو چونکہ وہ
 لوگ قانون عدل اور قصاص کے سخت محتاج تھے۔ اس لئے ان کو تورات
 دی گئی جس میں ایسے ہی احکامات اور حدود تھے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت
 کے عوض دانت اور ہر ایسے فعل پر پوری پوری قانونی سزا دی جاتی تھی۔ اور
 بنی اسرائیل نے عدل کے قانون پر بہت زیادہ زور دیا۔ حتیٰ کہ درگزر اور عفو
 کو عدل کے نقیض سمجھ لیا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر کج طبع لوگوں نے یہ
 خیال کر لیا کہ عدل کے بہانہ سے خواہ مخواہ انتقام لے لینا بڑی خوبی میں داخل ہے
 لہذا وہ لوگ اخلاق فاضلہ درگزر اور رحم سے بکلی محروم رہ گئے۔ اور احسان
 اور ہمدردی کا انہیں نام و نشان بھی نہ رہا۔ پس ان اسباب کی وجہ سے وہ اس
 لائق ٹہر گئے کہ ایک اخلاقی تعلیم انکو عنایت کی جاتی۔ سو انجیل کی تعلیم وہی
 تعلیم ہے جو صلح کا پیغام لانے والی اور عفو اور کرم کے دروازے کھولنے والی
 ہے۔ لیکن چونکہ انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ اگر اسے افراط سے روکا جائے
 تو وہ تفریط کی طرف رخ کر لیتا ہے۔ لہذا یہاں یہی صورت پیش آ گئی۔ یعنی وہ
 غلطی جو افراط کے رنگ میں یہودیوں سے ہوتی ہے۔ وہی غلطی تفریط کے رنگ میں
 عیسائیوں سے ظہور میں آئی یعنی جیسا کہ یہودیوں نے عدل پر بہت زور دے کر عفو
 درگزر۔ رحم اور مروت کے اخلاق کو چھوڑ دیا تھا۔ ایسا ہی عیسائیوں نے عفو
 اور درگزر کی تعلیم پر اس قدر زور دیا کہ انہیں قصاص کا ہر حکمت مسئلہ جس
 پر حفظ حقوق موقوف تھا۔ بالکل بھول گیا۔ تب خدا تعالیٰ نے قرآن شریف
 کو اس غرض سے نازل فرمایا کہ عفو اور انتقام کے ہر دو پہلو اپنے اپنے محل اور
 مقام پر استعمال ہوتے رہیں۔ اور یہ قرآن شریف کا ہی کام تھا کہ وہ جلال اور جمال
 دونوں تعلیموں کو یک جا جمع کرے۔ اور ہر ایک کو محل مناسب پر استعمال کرنے
 کی ہدایات دے۔ کیونکہ عدل اور رحم دونوں تعلیمیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی
 منسوخ اور موقوف کرنے کے لائق نہیں۔ بلکہ نظام تمدن بشری انہیں ہر دو
 صفات کے بقا اور وجود سے وابستہ ہے

دینا انساں کے حق واجب کو ضائع کرنا ہے ایسا ہی عفو اور مروت کی پرواہ نہ کر کے اس طبعی جوش میں سست ہو جانا جو انسانی ہمدردی کے متعلق ہے۔ اس نیکی کا دروازہ بند کرنا ہے۔ جو طبعی طور پر بنی نوع کی جماعت کی حمایت کے لئے پزندوں اور چرندوں میں بھی موجود ہے۔ اور دونوں طریق عدل اور عفو کو اپنے اپنے محل پر بقدر مناسب استعمال کرنا یہی وہ کمال ہے۔ جس پر انسان کی سعادت نامہ موقوف ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ان دونوں صفتوں کے متعلق ہمیشہ کا امتیاز قائم کرنے کے لئے نبی کریم ص کو دو نام عطا فرمائے۔ اول محمد جس کی نسبت فرمایا کہ یہ نام تورات میں ہے۔ جو جلالی صفات کا مظہر ہے۔ اور حضرت موسیٰ نے اپنی صفت کے ہم رنگ دیکھ کر اس نام کو بیان فرمایا۔ دوسرا نام احمد ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا کہ یہ نام انجیل میں ہے جو جمالی صفات کا مظہر ہے۔ اور حضرت عیسیٰ نے اپنے خلق کے موافق اس نام کو لیا۔ اور ان دونوں ناموں میں یہ تقسیم فرمائی کہ اس زمانہ کے لئے جبکہ اسلام کو بچانے کے لئے تلواروں کی اشتد ضرورت تھی۔ محمد کا نام تجویز فرمایا۔ اور اس نام کی جلالی حقیقت کی تکمیل کیلئے صحابہ رض کو مقرر فرمایا اور اس زمانہ کے لئے جب کہ اسلام نے اپنی ذاتی خاصیت اور اندرونی روشنی ظاہر کرنی تھی اور بیرونی دشمنوں کی تلواروں سے امن میں تھا۔ احمد کا نام تجویز فرمایا۔ جو حضرت عیسیٰ کی صفات کے ہم رنگ تھا۔ اور اس نام کی تجلی کے لئے دنیا کا آخری زمانہ قرار دیا۔ جس میں ہم ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں ظہور احمد کی بجلی کے لئے جس شخص کو مسیح موعود بنا کر بھیجا۔ اس کا نام بھی غلام احمد ہے۔ اب ان تمام غلطیوں کی اصلاح ہوگی جو مذہب کی اشاعت کیلئے تلوار کی ضرورت بتاتی تھیں۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسانی غلطیوں کی اصلاح کرے۔ اب صلح اور امن کا زمانہ ہے۔ اب حقیقی مسلمان وہی ہیں۔ جو اس صلح کے محل میں داخل ہوں۔ (الحکم جلد ۶، ص ۷۱)

یکم ستمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ جب حضرت مسیح موعود صبح

لائے۔ تو آپکے ہمراہ پچاس کے قریب خدام تھے۔ پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے عرض کی کہ اب میں چار جلسوں کی تقریبات قریب آگئی ہیں۔ کتاب نزول المسیح کی تقسیم کی جو زیر طبع ہے۔ عمدہ راہ نکل آئی ہے۔ اکتوبر میں ندوۃ العلماء کا جلسہ امرتسر میں ہونے والا ہے۔ اسکے بعد جنوری میں جلسہ دربار دہلی میں ہوگا۔ پھر اجمیر میں جلسہ مشائخ ہند کا جلسہ ہے۔ اسپر حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ:- میری رائے میں ان جلسوں پر تقسیم کا انحصار رکھنا ٹھیک نہیں وہی بات نہ ہو کہ بعض وقت ایک شخص ایک دیک پکاتا ہے۔ اور وہ ایک مجمع کثیر میں اسی وقت تقسیم ہو جاتی ہے۔ پھر پیچھے یاد آتا ہے کہ فلان درویش رہ گیا۔ فلان رشتہ دار باقی ہے۔ فلان مسکین کو حصہ نہ ملا۔ ان جلسوں پر سیت تھوڑی کتابیں ایک دو صاحب لیکر چلے جائیں۔ اور جو شخص ان کو اہل نظر آوے۔ اسے دے دیویں۔ کیونکہ بسا اوقات بعض لوگ ان کتابوں کو دیکھتے بھی نہیں۔ اور بھاڑ ڈالتے ہیں۔ ایسوں کو دینے سے کیا فائدہ۔

اسکے بعد انگریزی گورنمنٹ کی برکات کا ذکر چل پڑا۔ اسپر حضرت موعود نے فرمایا کہ:-

جو امن ہمیں اس گورنمنٹ سے ہے۔ وہ دوسری سلطنت سے ہرگز نہیں ہے۔ اگرچہ اس گورنمنٹ کی آمانتوں سے پادری بھی مستفید ہوتے ہیں۔ لیکن جو آرام ہم کو ہے۔ وہ دوسرے کو نہیں ہے۔ ہم ازادی سے ہر ایک امر کی اشاعت دل کھول کر کر رہے ہیں۔ یہ جو لوگ بار بار بیکارتے ہیں۔

کہ سلطان روم ناصر حسین ہے۔ یہ غلطی ہے۔ سلطان ہرگز ناصر حسین نہیں ہے۔ بلکہ حسین خود ناصر سلطان ہیں۔ کہ اس کے ساتھ ایک تھوڑے سے تعلق کی وجہ سے خدا نے سلطان کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔ ورنہ رومی سلطنت کو تو ایک دن بھی امن کا نہیں گذرتا۔ ہر وقت دوسری عیسائی سلطنتوں کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

اسکے بعد حضرت مسیح موعودؑ کی توجہ سید احمد شاہ صاحب واعظ سندھ کی طرف ہوئی۔ کہ جنہوں نے ایک ہینڈ ہوا۔ کہ حضرت اقدسؑ سے بیعت کر کے درخواست کی تھی کہ حضرت ایک چھوٹا سا اشتہار تالیف فرمادیں جس کو وہ سندھی زبان میں ترجمہ کر کے دوہزار کی تعداد میں چھپوا کر سندھ میں شائع کریں گے۔ کیونکہ وہ لوگ آپ کی بعثت اور اغراض بعثت سے بالکل ناواقف ہیں۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے کچھ تامل کے بعد فرمایا کہ:-

میں اس فکر میں تھا۔ کہ اشتہار میں اجمال کی ضرورت ہے۔ اور سبھیوں کو اپنا کا خلاصہ اب اشتہار میں کیونکر آوے۔ میری رائے میں یہ آتا ہے۔ کہ ایک تو اپنا دعوے درج کیا جائے۔ دوم دلائل کی مختصر سی فہرست دیدی جائے۔ اور چونکہ وہ لوگ عربی زبان سے ناواقف ہیں۔ اس لئے اول بعض اکابر و مشہور علماء و مشائخ کے پاس کتاب اعجاز المسیح اور الھدے روانہ کر دی جائے۔ تاکہ ان کو اول کچھ تفصیلی علم ہو جائے۔ تو پھر اسکے بعد اشتہار پہنچے۔“

اس پر سید احمد شاہ صاحب نے عرض کی۔ کہ حضرت سندھی لوگ بہت سیدھے ہیں۔ اور نہایت بھولے۔ امید ہے۔ کہ بہت جلد حضور کو قبول کر لیں گے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

ہم کہتے ہیں۔ کہ جب تک سمجھ میں نہ آوے۔ تب تک طالب حق کا حق ہے۔ کہ اعتراض کرتا جاوے۔ ہاں جب یہ علم ہو۔ کہ اب اسکے آگے ایک امر ایسا واضح اور روشن ہے۔ کہ مثل آفتاب کے ہے۔ اور پھر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ تب کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ شخص دیدہ دانستہ نہیں مانتا۔ اور منکر ہے۔ اور سارے انسان ایک طرح کے نہیں ہوتے۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو پھر سارے عرب لوگ ابو بکر ہی ہوتے۔ میرے نزدیک تو اگر فی صدی پانچ بھی مان لیوں۔ تو غنیمت ہے۔

بعد نماز ظہر حضرت مسیح موعودؑ نے پیر میر علی شاہ صاحب گولڑوی کے سر قہ مضمون کا کچھ ذکر فرمایا۔ اور جلد اندر تشریف لیگئے۔

نماز عصر کے لئے مسجد میں تشریف لاتے ہی حضرت مسیح موعودؑ کی نواب محمد علی خان صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اور نواب صاحب کے عارضہ دوران سر کا

حال دریافت فرمایا۔ اور بعد ازاں فرمایا کہ میں بھی اس عارضہ میں عرصہ سے مبتلا ہوں۔ اور بعض وقت یہ حالت ہو جاتی ہے۔ کہ چل پھر بھی نہیں سکتا۔ پھر ساتھ ہی اسکے مجھے دیگر غوارض دیا بیطس اور اسہال وغیرہ بھی ہیں۔ لیکن میرا تجربہ ہے کہ چلنے پھرنے سے اس عارضہ کو بہت آرام ہوتا ہے۔ اور دیکھا گیا ہے۔ کہ دو تین میل تک چلنے پھرنے سے بہت کچھ آرام ہو جاتا ہے۔ ایک ضعیف العمر شخص مجھے ہر روز ملا کرتا تھا۔ اسنے مجھ سے بیان کیا۔ کہ اسے عرصہ سے دوران سر ہے۔ اور اس کا علاج یہی ہے۔ کہ وہ ہر روز علی الصبح تین میل پھر لیا کرتا ہے۔

نواب صاحب نے لیکھرام مقتول آریہ کے دو فوٹو حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پیش کئے۔ ایک تو اسکی زندگی کا تھا۔ اور دوسرا مردہ لاش کا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ اسکی مردہ لاش کا فوٹو ہماری کتاب نزول المسیح میں دیا جائے۔ اور اس کے اوپر اسکے بارے میں جو پیش گوئی والے ابیات ہیں وہ تحریر کر کے عین تصویر پر ہاتھ دکھایا جاوے جو کہ سے کرامت گرچہ بے نام و نشان ست۔ بیا بنکر زعمان محمد کے نیچے استھاروں میں بنا ہوا ہے۔ بعد نماز عصر آپ اندوں خانہ شریف لے گئے۔

بعد ادا نیگی نماز مغرب حضرت مسیح موعودؑ کسی حاجت کے لئے اندر شریف لینگے۔ اور چند منٹ کے بعد واپس شریف لاکر مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی سے ملاقات کی۔ جو اسی وقت امروہ سے آئے تھے۔ اور مولوی صاحب نے مخالفین کی حالت اور ان کے مقدمہ کی کیفیت دریافت فرمائی۔ مولوی صاحب نے خلیفہ رشید الدین صاحب اسٹنٹ سرجن رٹ کی کے عارضہ چشم کا حال بیان کر کے دعا کے لئے درخواست کی اور پھر امروہہ کا حال بیان کیا۔ اسکے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے سرقہ کردہ مضمون اور فیضی کی غلطیاں بیان فرمائیں۔ اور فرمایا۔ کہ اگر ان کے خیال میں ہم نے دوسری عربی کتابوں سے اقتباس یا سرقہ کیا ہے۔ تو وہ بھی کل جہان کی عربی کتابوں سے اقتباس کر کے ہمارا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور میرا تو یہ بھی دعوے ہے۔ کہ اگر حریری وغیرہ بذات خود اس وقت زندہ ہوتے۔ تو وہ بھی ہمارے مقابل پر سرگز نہ لکھ سکتے۔ پیر مہر علی شاہ صاحب پر

افسوس ہے۔ کہ اسنے کتاب تو چھپوا کر مفت تقسیم کی۔ کاش کہ وہ چکار آنے کا سلوک فیضی کی بیوہ ہی سے کر دیتا، جس کا کہ اسنے اسقدر سرقہ کیا ہے، اور بالکل مکھی پر مکھی مار دی ہے۔ فیضی کے جو نوٹ وہ پڑھ نہیں سکا انہیں چھوڑ دیا ہے اور جہاں اسنے عربی کی غلطی کی ہے۔ پیر موصوف نے بھی اسے غلط ہی لکھ دیا ہے اور اصلاح نہیں کر سکا۔ یہ دیکھ کر مجھے ایک اور چوری کا واقعہ یاد آ گیا ہے۔ کہ ایک دفعہ مجھے بڑے مرزا صاحب یعنی والد بزرگوار نے ایک سکھ کے پاس بھیجا۔ کہ اس سے دریافت کیا جائے کہ اسنے کیوں ہمارا درخت کاٹ لیا ہے۔

م۔ جب میں نے اسکے پاس جا کر دریافت کیا۔ تو وہ مجھے کہنے لگا۔ کہ چور تو تو ہے جو میرے کھیت میں گھس آیا ہے۔ خیر میں۔ تو واپس چلا آیا۔ لیکن جب دوسری دن میں کسی کام کے لئے عدالت میں گیا۔ تو دیکھا کہ وہی سکھ گرفتار ہے۔ اور اسکی مشکیں باندھی ہوئی ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کسی گاؤں کا ایک بڑا کڑا پا چوری شدہ اسکے کما دینٹ کر میں سے برآمد ہوا ہے۔ اسنے اسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ تب میں نے اس سے پوچھا کہ اب بتلا۔ چور تو ہے۔ یا میں۔ آخر اسے برس یا چھ ماہ کی سزا ہو گئی۔ اسکے بعد اپنے فرمایا۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ کہ اسنے ہمیں الگ ایک کنارہ پر رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ قادیان میں نہ تھا نہ ہے نہ کچہری اور نہ پولیس ہے۔ اگر ہم کسی بڑے شہر میں ہوتے مثلاً امرتسر یا لاہور تو ہر روز کئی فسادوں کا اندیشہ ہوتا۔ اور یہ امن جواب ہمیں حاصل ہے۔ کبھی نصیب نہ ہوتا۔ لا قادیان پرچہ نمونہ) اسکے بعد نماز عشا گزار کر حضرت اقدسؒ اندر تشریف لگئے۔

آج حضرت سچ موعودؑ کے

ستمبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

کے وقت ایک دوست جوں سے تشریف لائے جس سے حضرت سچ موعودؑ جوں کی بیماری کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ اور اسکے بعد آپ نے خلیفہ نور الدین صاحب کو تاکید فرمائی۔ کہ کتاب نزول المسیح کے طبع ہونے میں کوئی عرج

واقع نہ ہو۔ تاکہ وہ امرتسر کے جلسہ کے موقع پر شائع کی جا سکے۔ پھر مرزا نیاز بیگ صاحب کلا نوری سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ ہمارا خیال تھا۔ کہ آپ کے گناؤں میں ہمارا کوئی مخالف نہ ہو گا۔ لیکن اب معلوم ہوا۔ کہ وہاں بھی ہیں۔ اسکے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت اندر شریف لے گئے۔ عصر کو وقت مسجد مبارک میں تشریف لاتے ہی حضرت مسیح موعودؑ نے سید امیر علی شاہ صاحب ملہم سیالکوٹی سے ملاقات اور مصافحہ کیا۔ اور شاہ صاحب نے اپنے خاندان کے لوگوں کے حالات بیان کئے۔ کہ اب اکثر لوگوں کے دلوں میں سلسلہ کی سچائی کا اثر ہوتا جا رہا ہے چنانچہ ایک رشتہ دار نے اپنی دختر کا نکاح ایک احمدی بھائی سے کر دیا ہے۔ اسکے بعد سید ناصر شاہ صاحب جموں کے عیال کی علالت کا حال سن کر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

اُن کو خط میں یہ بھی لکھ دیں۔ کہ آجکل کے وہابی بخاروں میں تلین کے بعد کونین رتی اور کافور ایک رتی کا استعمال بہت مفید ہے۔ اور کھبر اہٹ میں عرق گاؤ زبان اور گلاب پشیں۔ بعد نماز مغرب اجاب میں ریاست بھوپال کے انتظام کے متعلق ذکر شروع ہوا۔ اور مولوی محمد حسن صاحب نے انتظامی تغیرات کا حال بیان کیا۔ جمیں مولوی محمد بشیر صاحب مخالف سلسلہ کی تنخواہ ایک سو روپیہ ماسوار سے تخفیف ہو کر صرف پچاس روپیہ رہ گئی۔ اسکے بعد کتاب سیف چشتیائی کے مصنف کی علمیت کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ جسکے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے حکیم فضل الدین صاحب بھروی سے فرمایا کہ:-

ہمارا ارادہ ہے۔ کہ اس کتاب نزول المسیح میں ہماری تمام کتب کا خلاصہ آجائے تاکہ یہ سب کا مجموعہ ہو۔ پھر آپ نے اجاب سے دریافت فرمایا۔ کہ کیا ہم نے اپنی کسی کتاب میں اپنی ذات کیلئے بھی مباہلہ کیا ہے کہ اگر ہم کاذب ہوں تو ہمارا یہ حال ہو۔ جس پر اجاب نے عرض کیا۔ کہ کوئی ہی ایسی کتاب ہوگی جمیں اس قسم کا مباہلہ ہو۔ ورنہ اس قسم کا مضمون تو قریباً ہر ایک کتاب میں موجود ہے۔ مولوی محمد حسن صاحب فیضی سکھ بھین کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

انہ صرف کتابوں پر نوٹ بطور یادداشت لکھ کئے تھے اس کا ارادہ ہو گا۔

کہ اُن پر ایذا دی کر کے کچھ لکھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت نہ دی۔ اور وہ لعنتی ہو کر مرا۔ کیونکہ اس نے اپنے ہاتھ سے کتاب اعجاز المسیح کے حاشیہ پر یہ لکھا تھا۔ کہ نَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔ اگر وہ یہ الفاظ نہ بھی لکھتا تب بھی ہوسرت کی موت مرتا۔ کیونکہ وہ جھوٹا تھا۔ اور ہماری طرف سے تادم و تضرع کا مضمون اسکے لئے کافی تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ مہدی کے منتظر تھے۔ لیکن اب ذرا بھی غور نہیں کرتے کہ جو نشانات ہماری تائید کے لئے ہوئے ہیں۔ کیا اسکی نظیر کسی اور میں دکھلا سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے کھول کر دعوے کئے کہ وہ موعود تھے۔ یہ اُنکی غلطی تھی۔ اللہ تعالیٰ کسی کی غلطی کی پیروی نہیں کرتا۔ اسلئے اُس نے ان مدعیوں کی تائید نہ کی اب طاعون کی بیماری سے ہمارے مخالف بکثرت مر رہے ہیں۔ اور اس بیماری نے ہماری تعداد تو بڑھا دی ہے۔ اور ان کی گھٹا دی ہے۔ اس کی مثال بعینہ جنگ بدر کی بارش کی مانند ہے۔ کہ جب وہ نازل ہوئی۔ تو چونکہ حضرت بنی کریم کا لشکر ریتی جگہ پر تھا۔ اسلئے ریت جم گئی۔ اور آپ کے لئے آسانی ہو گئی۔ لیکن برخلاف اسکے کفار کا لشکر صاف جگہ پر تھا۔ جہاں بارش کے سبب سے کچھ نہ ہو گیا اور انہیں سخت مصیبت کا سامنا پڑا۔ سو یہی حال طاعون کا ہے۔ اور ابھی تو اور تنور تیار ہے۔ جس قدر مینے طاعون کے بارے میں دیکھا ہے۔ اگر ہمارے مخالفوں کا خدا سے تعلق ہوتا۔ تو وہ بھی دیکھ لیتے۔ چنانچہ ہاتھی والا خواب جسکی تفصیل کسی اور جگہ لکھی جا چکی ہے۔ اسمیں اس بیماری کی پوری حقیقت موجود ہے۔ دابتہ الارض کے معانی کرنے میں ہمارے مخالفین نے استعارات کو حقیقت پر حمل کر لیا ہے اور سخت غلطی کھائی ہے۔ ہم نے نعمت اللہ ولی کے اشعار جنہیں ہمارے متعلق پیشگوئی تھی۔ اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک شعر یہ تھا۔ ۵

مہدی وقت و عیسیٰ دوراں ہر دوراں شہسوارے بینم
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمت اللہ ولی کا بھی یہی مذہب تھا۔ کہ مہدی اور عیسیٰ ایک ہی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ لَا مَهْدِيَّ إِلَّا الْغَيْبِيُّ۔ اسی زمانہ میں یہ شعر بھی اہام ہوا تھا۔

از برائش محمد حسن را تارک روزگارے بینم

یعنی ہم نے مولوی محمد حسن صاحب کو اسلئے تارک و زگار کیا کہ وہ دینی کام بہت کرتے تھے۔ حالانکہ اس وقت مولوی صاحب کی تالیفات زیادہ نہ تھیں۔ جواب بہت سی ہو گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ سے آپ کو (مولوی محمد حسن صاحب کو) مخاطب ہو کر فرمایا (علیحدہ کیا کہ خدمت دین میں لگا دے اسکے بعد ستری فضیلین صاحب نے حضرت اقدس کی اجازت سے پنجابی اشعار سنائے۔ بعد ازاں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ :-

ہر ایک نیک ارادہ کی ناکامی ایک وقت تک ہوتی ہو۔ جسکے بعد اللہ تعالیٰ اس کا اجر دیدیتا ہے۔ سید احمد صاحب بریلوی کو ہم نیک جانتے ہیں۔ اگر وہ نیک نہ نہ ہوتے تو ہمارا دل انکی تعریف سے رک جاتا۔ سکھوں کے عہد کی باتیں ہم بڑے لوگوں سے سنا کرتے تھے اور سکھ لوگ خود بیان کرتے تھے کہ انہوں نے اس طرح سے لڑائی کرتے کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کی لڑائی کے خود سکھ لوگ عاشق زار ہو گئے تھے مجھے خیال آتا ہے کہ ان کے لئے یہ بڑی دردناک ناکامی تھی۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کی ناکامی کا عوض یہاں ہی دیدے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بہن کو قسم دیکر کہا کہ اگر ہم مر گئے تو تم یقین نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ محقق رنگ میں تھا۔ کہ وہ انہیں دوسری بار زندہ کر دیگا۔ اس طرح کی عادت اللہ بہت ہے۔ سید احمد صاحب کا وجود ہمارے لئے پیش خیمہ تھا اور وہ ہمارے لئے مقدمہ تھے۔ جیسا کہ حضرت یحییٰؑ حضرت مسیحؑ کے لئے بطور مقدمہ تھے۔ سید احمد صاحب کو نجل الہامات سے معلوم ہو گیا تھا کہ فتوحات ضرور ہوں گی۔ لیکن دوسرے وقت میں۔

(اس موقع پر حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب بھیروی نے حضرت سید احمد صاحب کے جنگ کا ذیل کا واقعہ سنایا کہ جب مولوی اسماعیل صاحب نے دیکھا کہ جو آدمی ان کا مرتا ہے۔ اس کا بدل نظر نہیں آتا۔ تو انہوں نے یہ حقیقت سید صاحب سے عرض کی جس پر اپنے اسی وقت حکم دیا کہ عورتیں اور بچے مقام جنگ سے علیحدہ ہو کر ہندوستان چلے جائیں۔ اور جو بڑے بڑے عالم ہیں۔ وہ بھی الگ ہو کر مختلف بلاد میں جا کر لوگوں کو علم دین سکھائیں۔ باقی ماندہ لوگوں سے آپ نے فرمایا کہ جو شخص لڑ کر خدا کی راہ میں جان دینا چاہتا ہے۔ وہ آپ کے ہمراہ رہے۔

اور جو ایسا نہیں چاہتا وہ علیحدہ ہو کر چلا جائے چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق سبھوں نے عمل کیا۔ اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت سید احمد صاحب کی تاریخ شہادت دریافت فرمائی حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب نے ۱۲۷۵ھ کے قریب بتلائی۔ اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ غریبوں میں سعادت مذہب ہوتی ہے لوگ سارے غریب ایک جیسے نہیں ہوتے۔ انہیں بھی اکثر دنی الطبع اور شریر ہوتے ہیں۔ لیکن امرا کے مقابلہ پر انہیں سعید زیادہ ہوتے ہیں۔ ہمارے معاملہ میں ہی دیکھ لو۔ کہ گروہ امرا اور گروہ سادہ کو اس بات کا خیال تک بھی نہیں۔ کہ ہم کیا کر رہے ہیں برخلاف اسکے دنیا کے دھندوں میں ایسے مہمک ہیں کہ بادشاہ کی تخت نشینی کے موقع پر لندن تک جلسہ میں شرکت کے لئے ہواٹے ہیں۔ لیکن حقیقی بادشاہ کا ان کو خیال تک بھی نہیں اسلئے امرا کا گروہ بڑا ہی بد قسمت گروہ ہے۔

اگر تنا سنا کا مسئلہ درست ہوتا۔ تو کہنا پڑتا۔ کہ آجکل کے مولویوں نے بہت ہی بھڑک کر م کہے ہونگے۔ اس لئے بڑا خوش قسمت وہ شخص ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ دنیا کے ابتلا میں نہ ڈالے یعنی اسکے دین کی کھڑکی بند نہ ہو۔ اسکے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے حج کے ذکر پر اڈیٹر الحکم کی تشریف کی۔ کہ اسنے

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو عمدہ جواب دیا۔ کہ اول اپنے مرشد مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کی نسبت جواب دے۔ کہ اس نے حج کیوں نہ کیا۔ پھر سلطان عبدالحمید خان شاہ نر کی پر اعتراض کرے۔ کہ اسنے آج تک حج کیوں نہ کیا۔ اسکے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ ابھی تو ہم سوڑوں کو مار رہے ہیں۔ اسنے فارغ ہونگے تو حج کریں گے۔ اسکے بعد آپ نے مولوی حکیم نور الدین صاحب سے نبی کریمؐ کا زمانہ حج مکہ دریافت فرمایا۔ جنہوں نے عرض کیا۔ کہ اپنے حج سے دو سال پیشتر صرف حضرت ابو بکرؓ کو حضرت نبی کریمؐ نے حج کیلئے بھیجا تھا۔ آپ اسکے دو سال بعد حج کے لئے تشریف لیگئے۔ اسوقت آپ کے ہمراہ ایک لاکھ بیس ہزار صحابہؓ تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ مخالفین پر اس سے بڑی حجت قائم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک مامور کے لئے اسوقت حج فرض ہوتا ہے جبکہ اسکے ساتھ جمعیت ہو (نمونہ القادیان ص ۷)

۳۰ ستمبر ۱۹۰۲ء بروز چار شنبہ

ایک گھنٹہ بعد ادانگی نماز فجر حضرت مسیح موعود میرے لئے تشریف

لے گئے راستہ میں منشی نواب خاں صاحب سکنہ مالیر کوٹلہ نے آپسے دریافت کیا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھوڑی سی روٹیوں سے بہت سے آدمیوں نے کس طرح سیری حاصل کر لی تھی اسکے جواب میں آپ نے فرمایا کہ :-

اس شخص کو اللہ تعالیٰ پر ایمان کا مزا ہی نہیں آتا۔ جو اسے ہر چیز پر قادر نہیں سمجھتا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز میں برکت ڈال سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے بندوں کو کامیابی ہو سکتی ہے۔ تو خود اللہ تعالیٰ کو کیوں کامیابی نہ ہو سکے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ کہ ایک دفعہ میرے پاس بہت تھوڑے روپے تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس قدر برکت ڈال دی۔ کہ وہ ختم ہونے میں نہ آئے۔ یاد رکھو۔ کہ بہت امور ایسے ہیں۔ کہ کن فیکون سے وابستہ ہیں۔ اور ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ ہمارا خدا قادر ہے۔ اور اس کی قدرت پر نظر کر کے مومن کو ایک لذت نصیب ہوتی ہے۔ کہ دوسرے لوگوں کے خدا ایسے نہیں۔ اسی لئے قرآن شریف میں فرمایا قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۚ یعنی میں اس خدا کی پرستش نہیں کرتا۔ جو تمہارا خدا ہے۔ میرا تو خدا ہی الگ ہے۔ بہت سے لوگوں پر ابتلا آتے ہیں۔ اور وہ انہیں میں مرجاتے ہیں۔ لیکن بعض خاص بندے ہوتے ہیں۔ جنہیں ایسی صورت حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امداد نازل ہوتی ہے۔ اور جو شخص سچا مومن اور مسلمان ہوتا ہے۔ اُس پر اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلی نازل فرماتا ہے۔ اور اس کی نصرت فرماتا ہے۔ اور دوسرے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ وہ ظاہری اسباب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلق کی وہ بات پیدا نہیں ہوئی ہوتی۔ جو ایک مخلص مومن میں ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں فرمایا۔ مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيُزِدْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ ایک انسان کے لئے یہ بہت بڑی بات ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لے اور جس شخص پر تجلیات الہیہ کا کچھ بھی اثر نہ پڑے۔ اسے گویا

اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں۔ یہ اتر سلیم شدہ ہے کہ ہر ایک شخص کی ایمانی حالت کے مطابق تجلیات آہستہ کا ظہور ہوتا ہے۔ جس قدر کوئی شخص صدق و وفا۔ ایمان اور اخلاص میں بڑھا ہوا ہوگا۔ اسی قدر زور سے اس پر تجلیات آہستہ کا اثر ظاہر ہوگا۔ یہی حال خوارق کا ہے۔ جس قدر انسان اپنے آپ کو دینا سے علیحدگی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے محبت کا سلسلہ قائم کرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ بھی اپنے آپکو غیروں سے علیحدگی اختیار کر کے اس شخص کی تائید میں لگ جاتا ہے۔ ایسا شخص یقیناً نامراد رہتا ہے جو یہ کہتا ہے۔ کہ جو کچھ اس نے دیکھا ہے۔ اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کچھ ظاہر نہیں کر سکتا۔ قاعدہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت شریعت باطنی سکھلاتی ہے۔ اور جو قوانین اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھے ہیں۔ ان کا لحاظ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق سمجھو۔ اور جو بات اسکی صفات کے خلاف نہ ہو۔ اور اس کا اسنے ذکر نہ کیا ہو۔ وہ بات تو وہ کرتا ہے۔ اور کر سکتا ہے۔ لیکن جو امور اسکے مواعید کے خلاف ہیں۔ انہیں وہ نہیں کیا کرتا۔ ہاں مومن جیسا جیسا اپنے اندر تبدیلی پیدا کرتا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اسی کے مطابق بدلتا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اعتراض کرے اور کہے۔ کہ حضرت ابراہیم پر آگ کیوں سرد ہو گئی۔ تو اسے کہنا چاہئے۔ کہ تم بھی ابراہیم کی طرح ایمان صدق اور وفاد کھلاؤ۔ تو تمکو بھی آگ کی سردی عطا ہوگی۔ وہ قلْنَا يَا نَادُكُوفِي بُرْدًا ہ تو ایک خاص ایمانی جزا ہے۔ ابراہیمی ایمان پیدا کرو۔ اور ابراہیمی خوارق کے وارث بنو۔ ظہر کی نماز کی شروع کی سنن ہو کہ حضرت مسیح موعودؑ نے تشریف لاکر مسجد میں ادا کیں۔ بعد اسکے خلیفہ نور الدین صاحب کو ترویل المسیح کی چھپوالی کے متعلق فرمایا کہ:-

”پروف قابل اصلاح ہیں۔ اصلاح کر کے واپس دیئے جائیں گے۔ آپ کے پُرانے خادم حافظ معین الدین صاحب شب بیداری کی وجہ سے اونگھ کر گر پڑے۔ جب حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ رات میری طبیعت خراب تھی۔ اور بخار کی وجہ سے تمام رات نیند نہیں آئی۔ حافظ صاحب

ساری رات جاگتے رہے۔ اور عشا کے وقت سے لیکر صبح تک نہیں سوئے۔
 بعد ازاں چٹھی رسان آگید اور اسنے حضرت مسیح موعودؑ کی ڈاک پیش
 کی۔ خطوط کہونے پر ایک اشتہار غلام محمد امرتسری کا ملا۔ جس میں اسنے آپکو
 بہت سی گالیاں دی ہوئی تھیں۔ اور بیت سا گند لکھا ہوا تھا۔ یہ شخص
 ۱۲-۱۵ سالہ لڑکا تھا۔ اور دو سال گذشتہ سے برابر قادیان بیعت کے لئے
 آتا رہا۔ چونکہ اسکا باپ غلام احمد امرتسری ہمیشہ فحش اشتہارات آپکے
 خلاف شائع کرتا رہتا تھا۔ اسلئے آپنے خورد سالی کے باعث اسکی بیعت لی۔
 ایک دفعہ یہ امرتسر کی احمدی جماعت کا رقعہ لیکر قادیان آیا کہ اسے والدین
 نے گھر سے نکال دیا ہے۔ اسکی تعلیم کا انتظام کیا جائے تو جماعت امرتسرین
 رویہ مہوار اسکا وظیفہ ادا کر دیا کریگی۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب
 کی سفارش پر اسے حضرت اقدسؑ نے رہنے کی اجازت دی۔ پیر وہ ایک
 ماہ قادیان رہا۔ بعد ازاں یہاں بنانے شروع کر دئے۔ کہ اسے والدین کے
 خط آتے ہیں۔ جعفر زٹلی کے خط آتے ہیں کہ وہاں
 چلے آؤ۔ ایک دفعہ بیانہ بنایا۔ کہ جعفر زٹلی اسے مرزا امام الدین کے دیوانخانہ میں
 بلاتا تھا۔ اور کہ مرزا امام الدین کو اس کے والدین نے لکھا تھا۔ کہ جسطرح سے
 ہو سکے اسے امرتسر بھیج دیا جائے۔ پھر یہ شخص خود بخود غائب ہو گیا۔ اور اب
 یہ اشتہار اسکی طرف سے وصول ہوا۔ اس اشتہار کو دیکھ کر حضرت مسیح موعودؑ
 نے فرمایا۔ کہ ان لوگوں کے پاس سوائے گندی گالیوں۔ اور ہمیں کافر کہنے کے
 اور کچھ نہیں رہا۔ اب وہ بھی اس طرح نہیں کرتا تھا۔ ہمیں مطلق امید نہ تھی۔ کہ
 ان لوگوں کے اندر یہ کچھ گند بھرا ہوا ہے۔ دشمنی اور مخالفت دوسری
 چیز ہے۔ اور گالیوں اور گندہ کلامی سے اسے کیا نسبت؟
 اس کے بعد مولوی عبد الکریم صاحب نے اپنا ایک خواب سنایا۔ جسے
 سن کر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

خدا کے ساتھ تو جو کچھ ہونا چاہیے تھا۔ وہ تو ابتداء ہی سے چاہیے تھا۔
 پیچھے اس کے ساتھ اور زیادتیاں لگنے سے کیا مطلب رہیے کہ کسی انسان کو

رسولی نکل آتی ہے۔ اسی طرح اٹھارہ سو سال کے بعد مسیح کو خدائی آ لگی۔ خوبیاں تو ابتدا ہی سے ساتھ آتی ہیں۔“

اسکے بعد جماعت نماز ظہر ہوئی۔ اور آپ بعد نماز اندر تشریف لے گئے۔ عصر کے وقت آپ نماز کیلئے باہر تشریف لائے۔ اور بعد ادائیگی نماز باجماعت اندر تشریف لیگئے۔ بعد نماز مغرب آپ نے مفتی محمد صادق صاحب سے جاپان کے مذہبی جلسہ کے حالات کے بارہ میں دریافت فرمایا۔ جنہوں نے عرض کی کہ جاپان کے خط سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مذہبی جلسہ محض بد مذہب اور ہندو مذہب کے اتحاد کے لئے قرار پایا ہے۔ دوسرے مذاہب شریک نہیں کئے گئے۔

مصنف کتاب چشتیائی نے اپنی کتاب میں لکھا تھا۔ کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان سولہ سو برس کا فاصلہ تھا۔ اسلئے مثیل مسیح کو بھی مثیل موسیٰ سے سولہ سو سال بعد آنا چاہئے تھا۔ بدین وجہ مرزا صاحب کا آنا قبل از وقت تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس امر کی تحقیق کے لئے۔ بیٹی کے ایک یہودی عالم بنام یوسف کی طرف خط لکھا تھا جسکے جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ :- یہودی تاریخ کے مطابق حضرت موسیٰؑ ۲۳۶۸ سنہ سیوط آدم میں پیدا ہوئے۔ اور ایک سو بیس برس کی عمر یا کر ۲۴۸۸ سنہ میں فوت ہو گئے اور یہودی تاریخ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ۳۶ سنہ سیوط آدم میں ہوئی۔ اسکے مطابق حضرت موسیٰؑ کی وفات اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے درمیان

۱۲۷۲ سال کا فاصلہ تھا۔ پس حضرت موسیٰؑ کی وفات اور حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کے درمیان تیرہ سو سال کا فاصلہ تھا۔ مولوی حکیم نور الدین صاحب نے حساب کر کے عرض کی۔ کہ اگر ۴۰ سال یعنی ایک نبی کی بعثت کی عمر اسمیں جمع کر دیں۔ تو ۱۲۱۳ سال نکلتے ہیں۔ گو یا جو دوہیں صدی نکل آتی ہے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ اس خط کو سنبھال کر رکھیں۔ یہ بات لکھنے کے لائق ہے۔ اور ہر ایک قوم کا سن اسی قوم سے لینا چاہئے۔“

مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ شاہ پور میں ایک نیا مخالف کھڑا ہوا ہے جس کا نام یار محمد یا محمد یار ہے۔ اُسے ہماری مخالفت میں مین کتابیں لکھی ہیں جنہیں سے ایک چھپ بھی گئی ہے جسمیں اُسے اس امر کی تردید ہے کہ عربی زبان ام الالسنہ ہے۔ اور ثبوت اس امر کا پیش کرتا ہے۔ کہ دراصل ام الالسنہ عبرانی زبان ہے۔ اسکی دلیل یہ لاتا ہے۔ کہ جبرئیل و میکائیل وغیرہ عبرانی نام ہیں۔ اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

میں نے سنا ہے کہ ان مولوی لوگوں کا مذہب یہی ہے۔ کہ عربی زبان ایک شخص یعرب نامی نے بنائی تھی۔ لیکن خبر معائنہ کو رد نہیں کر سکتی۔ اگر پورے طور پر تحقیقات کی جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ عربی تمام زبانوں پر عادی ہے۔ قرآن شریف کی آیت عَلَّمَ اَدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں۔ کہ آدم کو تمام بولیاں سکھائی گئیں۔ تو پھر عبرانی کس طرح پر ام الالسنہ ہو سکتی ہے۔ تقدم شے کئی قسم کا ہوتا ہے۔ اور اگر اسکے ساتھ اور بھی کمالات ہوں۔ تو وہ حقیقی تقدم ہوگا۔ اب دیکھ لیا جائے۔ کہ کامل زبان کونسی ہے۔ مولوی حکیم نور الدین صاحب نے عرض کی کہ حضرت اللہ کا لفظ عربی ہے۔ اسپر مولوی عبدالکریم صاحب نے کہا۔ کہ اُسے اس کی تردید کی ہے۔ اور لکھتا ہے۔ اللہ عربی کے لفظ الوہیم سے نکلا ہے جس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ الوہیم تو ایک مرکب لفظ ہے۔ الہ۔ وہیم۔ اور ہم سے پھر مولوی نور الدین صاحب نے کہا۔ کہ جبرئیل اور میکائیل تو دو فرشتوں کے نام ہیں۔ حالانکہ قرآن میں اور فرشتوں کے نام منکر نکیر۔ رضوان۔ مالک سب عربی زبان کے ہیں۔ اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

حضرت نبی کریمؐ کی بشت کی جملہ انبیاء کو خبر دی گئی تھی۔ یہاں تک کہ آدم کو بھی تو جب محمد نام انہیں بتایا گیا تھا۔ تو محمد کا لفظ تو عربی ہے اسلئے اسی زبان کو تقدم ہوا۔ امور مشہورہ و محسوسہ کا انکار کرنا نادانی ہے۔ ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ کہ عربی زبان کے الفاظ کل زبانوں میں داخل ہیں۔ علاوہ ازیں اس زبان میں اشتقاق اور علوم اس قدر پائے جاتے ہیں۔

کہ دوسری جگہ اسکی نظیر نہیں ملتی۔ یہودیوں کو لکھکر دریافت کر لو۔ کہ اسکی نظیر پیش کریں۔ اور فرستے تو لاکھوں کروڑوں ہیں۔ اگر دو چار فرشتوں کے عبرانی نام ہوئے۔ تو کیا ہوا۔ پھر لکھا ہے۔ کہ بہشت میں عربی زبان بولی جائیگی۔ اور خود آدم کا نام عربی زبان کا تسلیم کیا گیا ہے۔

یہو پچاس ساٹھ کوس پر زبان کا تغیر ہو جاتا ہے۔ یہاں سے ہم لہمیان یا انبالہ جائیں۔ تو زبان میں لازماً فرق پایا جاتا ہے۔ تو جس طرح زبانوں میں مکانی طور پر فرق پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح زمانی طور پر بھی ہوتا ہے۔ حضرت مسیح کے زمانے کی عبرانی عربی زبان سے بہت ملتی تھی۔ جیسا کہ الفاظ ایلی ایلی لکھا سبقتی سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر امتداد زمانہ سے بدل گئی۔

اسکے بعد حضرت مسیح کی وفات حیات پر سلسلہ گفتگو شروع ہو گیا جس پر حضرت مسیح موعودؑ نے ایک نہایت لطیف نکتہ بیان فرمایا۔ کہ:-

یہ جو سوال حضرت مسیحؑ سے قرآن مجید میں ہے۔ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوا ابْنِي وَاَحَدَ الْهَيْنِ الْهَم اور اس کا جو جواب حضرت مسیحؑ نے دیا۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي ہمارے مخالف اسے قیامت کا واقعہ بتلاتے ہیں۔ جس حال میں کہ اُن کے عقیدہ کے رو سے مسیحؑ نے دنیا میں آکر چالیس سال تک رہنا ہے۔ اور صلیب کو توڑنا ہے۔ خنزیریوں کو قتل کرتا ہے۔ اور پھر اسکے بعد وفات پانی ہے۔ تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیحؑ پر یہ سوال ہی عجیب ٹھہرتا ہے۔ اور پھر مسیحؑ کا جو جواب ہے وہ تو بالکل غلط اور واقعات کے خلاف ہے۔ معذرت کے اس جواب کی بجائے تو مسیحؑ کو انعام طلب کرنا چاہئے۔ اور کہنا چاہئے کہ وہ دوبارہ جا کر چالیس سال تک دنیا میں خدمت کر آیا ہے۔ صلیبوں کو توڑا اور خنزیریوں کو قتل کر آیا ہے۔ کیا ان واقعات کی موجودگی کے باوجود حضرت مسیحؑ کا جواب کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي غلط نہ ہوگا۔ وہ چالیس سال تک دوبارہ اگر دنیا میں رہے۔ اور اسے یہ معلوم نہ ہو۔ کہ اسکی امت اسے اور اسکی ماں کو معبود بنا رہی ہے۔ اور خدا کے حضور غدر کرے کہ اسے اٹھائے جانے کے بعد کچھ علم نہیں۔ یہ جواب تو مسیحؑ کو جھوٹا ثابت کرتا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ

کر کے ذکر چھڑ دیا۔ کہ آجکل جو جھگڑا ہمارے اور لوگوں کے درمیان ہے۔ آپ اس سے واقف ہی ہیں۔ لیکن میں دریافت کرتا ہوں۔ کہ کیا کسی رسول کی وفات بھی قرآن سے ثابت ہوتی ہے۔ اسپروہ مولوی جو حافظ قرآن بھی تھا۔ بہت دیر تک ساکت رہا۔ آخر ایک دوسرے حافظ نے اسے کہا۔ کہ آپ نوح کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ۔ اسپروہ پہلا مولوی بولا۔ کہ احمدی لوگ یہ جواب دینگے۔ کہ یہ میعاد تو بعثت کی ہے۔ پھر حضرت نوحؑ کسی اور جگہ چسے گئے ہونگے۔ آخر جب وہ مولوی کچھ جواب نہ دے سکا تو میں نے اسے کہا کہ کسی نبی کی وفات ہی ثابت کر دو۔ پھر زیادہ سکوت دیکھ کر کہا۔ کہ اچھا کسی ولی کی وفات ہی ثابت کر دو۔ اسپروہ جواب نہ دے سکا۔ تو میں نے کہا۔ کہ اچھا اپنے والد صاحب کی وفات کا ثبوت ہی دیدو۔ جس پر مولوی بولا۔ کہ جب اتنا عرصہ وہ ہمیں نہ ملے تو مر ہی گئے۔ اسپر میں نے کہا۔ کہ یہی مسیح کی وفات کا ثبوت ہے۔ اسکے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے شاہ پوکے نئے مخالف کا مرید حال ریافت فرمایا۔ حکیم فضل الدین صاحب بھیر دی نے بیان کیا۔ کہ وہاں ایک دوست اپنی جماعت کے ہیں ان کی وساطت سے اسکی تصانیف مل گئی ہیں اسکے بعد دو دوستوں نے بیعت کی۔ جسکے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے ان کو مختصری نصیحت کی۔ کہ اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرو۔ اگر دوسروں جیسی ناپاک زندگی ہی رہی۔ تو پھر بیعت کا کیا فائدہ۔

بعد نماز عشاء آپ اندرون خانہ تشریف لگئے۔ (نمونہ پرچہ القادیاں ص ۵۸)

باعث کثرت باد صبح کی میر حضرت مسیح موعودؑ نے ملتوی رکھی۔

۴ ستمبر ۱۹۰۲ء بمطابق

ظہر کی نماز کے لئے تشریف لانے کی خاطر حضرت مسیح موعودؑ نے دیوانہ بولا۔ لیکن معاند کر کے پھر اندر تشریف لگئے اور رہوڑے عرصہ کے بعد باہر تشریف لا کر اپنی گھڑی کی شکایت کی۔ کہ اس میں ابھی تک گیدہ بھی نہ بچے تھے۔ اسلئے اپنے خیال فرمایا۔ کہ شاید آج دن بہت بڑھ گیا ہے۔ نہ معلوم کیا وجہ پھر فرمایا۔ کہ چونکہ انسانی نظام ہے۔ اس لئے بار بار بگڑ جاتا ہے۔

اس کے مقابل پر اللہ تعالیٰ کے نظام پر نگاہ ڈالو۔ کہ کتنا عرصہ دراز سے سورج اور چاند پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اور وہ کس طرح اپنے اوقات مقررہ پر اپنا کام چھیک طور پر کر رہے ہیں۔ کہ ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں پڑتا۔
مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کی۔ کہ اخبار میں اسنے پڑھا تھا۔ کہ سوچ دن بہ دن گھٹتا چلا جا رہا ہے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ابھی چند روز ہوئے۔ ایک شخص نے پیشگوئی کی تھی۔ کہ سخت زلزلہ آئیگا۔ اسلئے تمام لوگوں کو گھروں سے نکل کر میدان میں رہنا چاہیئے۔ پھر ایک شخص نے لکھا۔ کہ دمدار سیارے نکلینگے۔ لیکن ایک بات بھی پوری نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ **فَلَا يَظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدٌ إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن دَسُولٍ**۔ اس کا بڑا گہرا خزانہ غیب ہے۔ کسی کو بھی نہیں دیتا۔ اور وہ بڑا عزیز خزانہ ہے۔ جو وہ اپنے پیارے عزیزوں کو دیتا ہے بعد نماز ظہر حضرت اقدس اقدس تشریف لے گئے۔

دو بچے کے قریب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب اسٹنٹ مسجرن رڑ کی اور ماسٹر غلام محمد صاحب ٹیلر ماسٹر سیالکوٹ سے تشریف لائے۔ اسلئے حضرت مسیح موعودؑ ان سے ملنے کے لئے بیت الفکر میں تشریف لائے اور سیالکوٹ کے مخالفین کی حالت اور مباحثہ جہلم کے حالات دریافت فرماتے رہے (جو مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب احمدی سیالکوٹی.....)

اور مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے مابین وفات و حیات مسیح پر ہوا تھا۔ جمیلین موضع الذکر کو پوری پوری ناکامی ہوئی تھی (چونکہ ماسٹر غلام محمد صاحب دو سال کے بعد حضرت کی زیارت کے لئے آئے تھے۔ اس لئے آپ نے انہیں پورے طور پر شناخت نہ کیا۔ اور فرمایا۔ کہ اتنی دیر کے بعد تو نہیں آنا چاہئے۔

اسکے بعد طاعون کا ذکر چل پڑا جسکے بارے میں حضرت صاحب مفصل طور پر دریافت فرماتے رہے۔ معلوم ہوا۔ کہ کسولی گجرات کلکتہ اور بمبئی میں اس کا بہت زور ہے۔ اور گورنمنٹ گزٹ کی اطلاع کے بموجب

کل ہندوستان میں تین لاکھ کے قریب طاعون سے اموات ہو چکی ہیں اور اب گورنمنٹ بڑا انتظام اسکے روکنے کے لئے کر رہی ہے۔ اسپر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :-

گورنمنٹ پنجاب نے رعایا کو ٹیکہ لگانے کی بہت ترغیب دی ہے لیکن کسی پر جبر نہیں رکھا۔ اگرچہ ٹیکہ کوئی کامل علاج تو ثابت نہیں ہوا۔ تاہم موجودہ حالات میں سب سے بہتر علاج ہے۔ گورنمنٹ اس بارہ میں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکی۔ کہ باوجود ٹیکہ لگوانے کے بعض لوگوں کو پھر کیوں طاعون ہو جاتی ہے جس سے اموات بھی ہو جاتی ہیں۔ صرف یہی جواب ہے کہ ٹیکہ سے نسبتاً اموات کم ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے۔ کہ ٹیکہ کا اثر دو ماہ تک ہی مفید ثابت ہوا ہے۔ پیچیک کے ٹیکہ کی ولایت میں سخت مخالفت ہوئی ہے۔ بلکہ معلوم ہوا ہے کہ ایک انگریز نے خود کشتی کر لی اور ٹیکہ نہ لگوا یا۔

ڈاکٹر رشید الدین صاحب نے عرض کی۔ کہ انہیں معلوم ہوا ہے کہ ٹیکہ طاعون سے دوسرے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً آتشک والوں کے لئے تو یہ بہت خطرناک ہے۔ اسپر حضرت نے فرمایا کہ اگر ہم سے ٹیکہ لگوانے کیلئے پوچھا گیا۔ اور کوئی شخص ہمیں ٹیکہ لگانے کیلئے آیا۔ تو ہم اپنا الہام پیش کر دینگے۔ گورنمنٹ کی طرف سے تو کسی قسم کا جبر نہیں ہے۔ الہام کا منشا یہ ہے کہ جو شخص اس چار دیواری میں رہیگا۔ وہ طاعون سے محفوظ رہیگا۔ اور جو ہمارے مرید سچے دل سے بیعت کرنے والے۔ اور مقاصد کو سمجھنے والے اور عمل کرنے والے ہیں۔ وہ بھی محفوظ رہینگے۔ مگر اس بات کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ کہ ایسے لوگ کون سے ہیں۔ افسوس ہے۔ کہ ابھی تک بہت سے مرید کہلانیا والے لوگ دنیوی اغراض کی طرف مائل ہیں ہمیں اپنی طرف سے تو کامل یقین ہے اور جب افسران گورنمنٹ ہمیں ٹیکہ لگانے آئینگے۔ تو ہم اپنا الہام ہی پیش کر دینگے اور یہ بھی ایک تبلیغی رنگ ہوگا۔ اور میرے نزدیک تو اس الہام کی موجودگی میں مجھے ٹیکہ لگوانا گناہ ہے۔ کیونکہ اس طرح ثابت ہوگا۔ کہ ہمارا بھروسہ ٹیکہ پر ہے اللہ تعالیٰ کے کلام اور وعدہ پر نہیں۔ اسی طرح ہماری جماعت میں سے

جن لوگوں کو کامل الطمینان ہے کہ وہ حقیقت بیعت پر پورے طور سے قائم ہیں وہ بھی بیشک ٹیکہ نہ لگوائیں۔ کیونکہ گورنمنٹ کی طرف سے کوئی جبر نہیں ہو سکتا۔ حضرت صاحب نے تجویز فرمایا کہ اسی ماہ میں بہت جلد ایک اشتہار اردو و انگریزی میں گورنمنٹ کو مخا طب کر کے شائع کیا جائے۔ کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں آسمانی ٹیکہ لگ چکا ہے۔ اور ہمیں اسکے فضل سے طاعون نہیں ہوگا۔ اسلئے مستطمان ٹیکہ ہمیں ٹیکہ لگوانے کی درخواست نہ کریں۔ گورنمنٹ ٹیکہ لگوانے پر مجبور نہیں کرتی۔ تاہم اس سے انکار کر دینا حکام وقت کی نافرمانی کا موجب ضرور ہے۔ اسلئے کہ لاکھوں روپیہ گورنمنٹ کا اس بیماری کے انسداد کے لئے ٹیکہ پر خرچ ہو چکا ہے۔ قبل از وقت گورنمنٹ کو اس بارہ میں اطلاع دینی ضروری ہے۔ طاعون رجز من السماء ہے۔ جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں بھی پڑی تھی۔ یہ آسمانی عذاب ہے۔ حکیم اور ڈاکٹر کیا کر سکتے ہیں؟ اسکے بعد آپ مہوڈاکٹر صاحب اندر شریف لے گئے۔

عصر کی نماز باجماعت ادا فرمائی لیکن کوئی تقریر نہ فرمائی۔ مغرب و عشاء کی نمازیں بیعت علالت طبع اندرون خانہ ادا فرمائیں۔ راقدا یان ص

۵۔ ستمبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ کے لئے تشریف نہیں لے جانے اس دن یعنی یوم جمعہ آپ صبح کی سیر اسلئے بعد ادانگی نماز فجر باجماعت آپ اندرون خانہ تشریف لے گئے۔

جمعہ کے لئے مسجد اقصیٰ میں تشریف لاتے ہی آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ بعد ازاں اکبر خاں صاحب اپیل نویس ہوتی مردان نے ملاقات کی اور آپ وہاں کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ بعد ازاں خلیفہ نور الدین صاحب نے کتاب نزول المسیح کے پروف پیش کئے جنہیں آپ نے مناسب ہدایتیں دیکر بعد سردار فضل حق صاحب سے انگلی خینداری کے حالات دریافت فرمائے اسکے بعد مولوی عبدالکریم صاحب آگئے۔ اور دو رکعت نماز ادا کر کے خطبہ جمعہ پڑھا۔ اور بعد ادانگی نماز جمعہ باجماعت حضرت صاحب اندر شریف لے گئے۔

عصر کی نماز سے پہلے چند منٹ حضرت مسیح موعودؑ نے مجلس فرمائی۔

اور مجوزہ اشتہار ٹیکہ طاعون کے متعلق فرمایا۔ کہ ہم گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ احمدی جماعت کو مطلق ٹیکہ نہ لگائے اور باقی رعایا کو لگائے پھر انجام پر تجربہ کرے۔ کہ نسبتاً کون جماعت طاعون سے محفوظ رہی۔ بعد ادا لگی نماز باجماعت اندر تشریف لیکئے۔

نماز مغرب کے نوافل میں حضرت مسیح موعودؑ نے آخری رکعت میں تنوت کیئے بعد

رکوع قدرے توقف فرمایا۔ بعد نماز مغرب دو دوستوں نے بیعت کی۔ اسکے بعد کتاب نزول المسیح کے بارے میں فرمایا کہ:-

یہ اکتوبر میں ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ اسلئے سینے تجویز کی ہے۔ کہ سر دست ایک مختصر اشتہار ٹیکہ لگے بارہ میں لکھ کر دو ہزار چھو لیا جائے۔ اور اسے امرتسر کے جلسہ پر تقسیم کیا جائے۔ اور اس میں لکھا جائے۔ کہ جو اقوام اپنے اپنے مذہب کو سچا اور حق خیال کرتی ہیں۔ اب اس وقت ان کے لئے مقابلہ کا وقت ہے اور ہمارا دعوئے ہے۔ کہ ہماری جماعت باوجود ٹیکہ نہ لگوانے کے پھر بھی دوسرے لوگوں سے نسبتاً محفوظ رہے گی۔ اور جو لوگ ہماری چار دیواری میں ہیں اور سچے طور پر بیعت پر قائم ہیں۔ وہ ضرور محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ اگر ایک شخص بیعت کر گیا ہے اور پھر بھی فاسق اور فاجر ہے اور ایک گندی زندگی بسر کرتا۔ اور اپنے اندر کوئی پاک تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ اس سے ہمارا کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ ہمارے مخالفین کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ جب اس طریق سے بھی انکی نسبت ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امداد شامل حال ہے۔ تو ان کو چاہیئے۔ کہ ہمارے مکاشفات اور کلمات کو منجانب اللہ اور سچا مانیں۔ اگر اس طریق سے خدا کی نصرت ہمارے شامل حال نہ ہو۔ تو پھر ہم جھوٹے ہیں۔ یہ خدا کی طرف سے ایک تقریب ہے جس طرح بعض لوگ مختلف امور کے جلسہ کیا کرتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ ایک موقع دیا ہے اس سے بڑھ کر اپنی سچائی دکھانے کا اور کون سا موقع ہو سکتا ہے جو لوگ اپنے آپ کو سچا خیال کرتے ہیں انہیں چاہیئے کہ ہمارے مقابل پر اشتہار شائع کریں لوگوں کو شکایت ہے کہ ہم ہمیشہ موت کی پیشگوئیں کرتے ہیں لیکن یہ تو شفا کی پیشگوئی ہے اب بھی اگر کوئی شخص

ہمارے مقابل نہ آیا اور اپنی دعا کی قبولیت کا نمونہ دکھایا تو ثابت ہو جائیگا کہ ہمارے مخالفین کو اپنے ایمانوں پر کوئی وثوق نہیں۔ یہ اشتہار دو نزار چھپوا کر دیاتوں میں تقسیم کیا جائے۔ گو یہ مختصر اور چند سطروں کا اشتہار ہوگا۔ لیکن اس سے تحریک بہت پیدا ہوگی۔ اور بڑا اثر ہوگا۔ یہ طریق فیصلہ کے لئے مہلک نہیں بلکہ ہم تو اسے ایک سچے منجی کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ دنیا میں مختلف مذاہب ہیں۔ جو ہمارے مخالف ہیں۔ پھر خود مسلمان ہیں جن کا مادی رحضرت محمدؐ اور پیشرو تو سچا ہے۔ لیکن یہ لوگ اسکے پیرو نہیں۔ بلکہ بتول کے پیرو ہیں۔ براہین احمدیہ میرا میرا الہام ہے۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا آتِبُكُمْ مَا تَعْبُدُونَ۔ عیسائی اور ہندو وغیرہ تو اصل خدا سے ہی دور جا پڑے ہیں۔ یہی تو ہر ایک مذہب کا دعوئے ہے۔ کہ اسکی پیروی سے بہشت ملیگا۔ لیکن اس بہشت کا دنیا میں بھی تو کوئی نمونہ نظر آنا چاہیے۔ ورنہ کسے ثابت ہو۔ کہ مرنے کے بعد وہ بہشت دلا سکتا ہے۔ سچا مذہب وہی ہو سکتا ہے۔ کہ جس میں خدا کی قدرت اور طاقت جلوہ نما ہو۔ جبکہ مخالفوں کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔ تو کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ ان کا خدا سویا ہوا ہے۔۔۔ جیسے دیگر مذاہب کے لوگ ٹیکہ کرائیے ویسے ہی ہمارے مخالف مسلمان اور مولوی محمد حسین بھی ٹیکہ کرائیگا۔

ہمارے اشتہار کے شائع کرنے کا اصل مقصد یہ ہے۔ کہ ایک طرف جبکہ گورنمنٹ لکھو کہہا روپیہ کا خرچ برداشت کر کے لوگوں کو ٹیکہ لگاتی ہے تاکہ لوگ اموات سے سلامت رہیں۔ تو دوسری طرف ہم دعا سے کام لیتے ہیں۔ اسلئے ہمارے طریق میں گورنمنٹ کے لئے لکھو کہہا روپیہ کی بچت ہے۔ کیونکہ آخر گورنمنٹ بھی طاعون کے کسی مجرب علاج کی تلاش ہے۔ اور جب اسے موجودہ تدا بیر سے بڑھکر کوئی موثر علاج مل جائے۔ تو اسکے اختیار کرنے میں اسے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ جس طرح سے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو یقین عطا کرتا ہے۔ ویسے ہی اسکے کلام میں قوت و شوکت بھی دیدیتا ہے۔ مخالفین کے لئے ہماری آزمائش کا یہ نہایت عمدہ طریق ہے۔

کہ جس طرح سے ہم دعوائے کرتے ہیں کہ ہماری جماعت نسبتاً طاعون سے محفوظ
 رہیگی۔ اسی طرح سے ہمارے مخالف مذاہب مثلاً عیسائی لوگ اپنے خداوند
 یسوع سے سفارش کروا کر اپنی قوم کو محفوظ کر لیں اور ہندو لوگ اپنے دیوتاؤں
 مثلاً کرشن جی کو شفیع ہڑا کر اپنی قوم کو بچائیں۔ ان مذاہب سے گورنمنٹ کا
 بہت فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا منشاء ہی یہی طرح معلوم ہوتا ہے۔ اسنے اس نے
 اتنے ربودست الہام نازل کئے۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ لَوْ لَا اَلْکِرَامُ
 لَهَکَکَ الْحَقَامُ۔ اور مَا کَانَ اللّٰهُ لَیْکُمْ بِهَمٍّ وَاَنْتَ فِیْہُمْ عَدُوٌّ اور ان کے
 علاوہ دیگر بہت سے رویا و کثوف بھی ہیں قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ
 کوئی پرانا نشان ظاہر ہوگا۔ انجیل میں بھی اسکے متعلق پیش گوئی ہے۔ اور
 براہین احمدیہ میں آج سے ۲۳ سال پہلے اس کا ذکر موجود ہے۔ جسکے ساتھ
 یہ بھی الہام ہے۔ وَکَذٰلِکَ مَنَّآ عَلٰی یُوْسُفَ لَیَنْصُرِفَ عَنْہُ السُّوْءُ وَالْفَحْشَآءُ
 یعنی لوگوں نے جو غش اور گند بکنا شروع کر رکھا ہے۔ ہم اس سے اُن کو
 روک دینگے۔ ایسا ہی اسکا اور دیگر نبیاء کی کتابوں میں بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا
 ہے۔ کہ یہ ایک عظیم الشان بات ہے۔ پھر براہین احمدیہ میں یہی لکھا ہے۔
 لَیْغْفِرَنَّ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ۔ یعنی لوگ تیری طرف جو کچھ
 کذب اور افتراء منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک ہی دفعہ اُن کے خیال کو کا لعدوا
 کر دیگا۔ بعض لوگ ایسی سوئی عقل کے ہوتے ہیں جو موثبات ان طلب کرتے
 ہیں۔ جیسا کہ الہام ہوا۔ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَہْلِ الْکُتُبِ الْمَشْرِکِیْنَ
 حَتّٰی تَأْتِیَہُمْ الْبَیِّنٰتُہٗ اِیُّوْنَ کے لئے بدینہ ضروری ہے اب دیکھ لو۔ کہ
 ہمارے نشانات ایسے ہیں کہ جنکے ہزاروں لوگ گواہ ہیں۔ اور ہم نے
 ایک سو پچاس کے قریب نشانات اپنی کتاب نزول مسیح میں درج کر دیے ہیں
 اب آخری فیصلہ کے دن قریب ہیں۔ اور اس کا نشان یہ طاعون ہے
 جس کے ذریعہ سے شاید خلق اللہ کا زیادہ رجوع ہو جائے۔ اور وہ الہام پورا ہو۔
 ہمارا یہ اشتہار ایسی کثرت سے شائع ہونا چاہیے۔ کہ امیر و غریب ہر ایک پڑھ
 لے یہ علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔ کہ وہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے دلوں پر کیا اثر ڈالے گا

تاہم اس شہتار سے ہماری جماعت کو دو فائدہ سے پی اور میری مراد جماعت سے وہ لوگ ہیں جو نیکو کام ہیں
اول تو یہ کہ دوسرے لوگوں کو ملزم کرینگے۔ دوم یہ کہ اپنے آپ کو درست کرینگے۔ گویا اللہ تعالیٰ انکی

اصلاح چاہتا ہے۔ یہ وہی مثل ہے۔ ورنہ ستانی بستم میرے
انسانے تقریریں باسٹر غلام محمد صا سیا لکھو ٹی نے بیان کیا۔ کہ سیا لکھو میں ایک کرنیل ہمارا
انگریزی سالہ ریویو آف ریلجنز خریدتا ہے اور بعد مطالعہ اسے ولایت بھیجتا ہے اسکے بعد مفتی

محمد صادق صانے شمعون کو طرحی کا قصہ سنایا۔ جو حضرت مسیح کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اور ساری عمر محمد
ہی ماہی داناں مولوی عبدالکریم صانے بابو شاہدین صاحب شنیشن باسٹر ہوتی مزان کی تبدیلی اور انکے
خط کا ذکر حضرت مسیح موعود کی خدمت میں کیا۔ جس میں انہوں نے لکھا تھا۔ کہ ہمیں سخت ناگاہی ہوئی کہ
دشمن اپنے ارادہ میں کامیاب ہو گیا۔ ایسا نہ ہونا چاہیے تھا۔ اس پر حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ:-

انکو لکھ دو۔ کہ گہرے کی کوئی بات نہیں حضرت نبی کریم کے زمانہ کی طرف دیکھو۔ کہ صحابہ کس
طرح قتل کئے گئے۔ مگر نہ مگر مٹی ہوئے۔ اور تیرہ برس تک انہیں سر چھپانے کی جگہ ملتی تھی۔ کیا ان
استلاؤں میں سے کوئی ابتلا بھی کسی کو اس زمانہ میں پیش آیا۔ انکے لئے تیرہ برس تک ناگاہی کا زمانہ تھا
کیا انہیں سے کوئی بھی خدا پر بدظن ہوا؟ بلکہ حضرت نبی کریم نے ایک خود دعا مانگی۔ کہ یا اسی میں
تمام دکھوں پر صبر کرونگا۔ اس وقت تک کہ تو راضی ہو جائے گویا دکھوں پر صبر کرنا خدا کی رضا مند
کام موجب ہے اور جو شخص خدا کے لئے دکھ اٹھاتا ہے۔ خدا اس سے پیار کرتا ہے۔ تو کیا اب نہ دباؤ
شاہدین صانے خدا کے پیالے سے نفرت کرتے ہیں۔ خدا کا یہ دشمن نہیں۔ کہ ہمیشہ کامیابی ہی دیو سے
نہیں بلکہ بعض اوقات ناگاہی بھی دیدیتا ہے تاکہ امتحان لے مولنا دی نے اپنی مشنوی میں کیا عہد کیا؟

عشق اول سرکش و خونی بود تاگزید ہر کہ بے سرو و نی بود

اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسا مثلاً ایک عورت کا رڈ کا کھویا جائے اور وہ محبت کی وجہ سے اسکی تلاش میں
ہماری ادھر ادھر پھرتی ہو۔ تو جو عورت اسکی ہمسائی ہوگی وہ بھی ہمدردی کی وجہ سے اسکے ہمراہ جائیگی۔
لیکن آخر الذکر آخر تنگ کر دوچار گھنٹہ کے بعد اپنے کسی ضروری کام کو یاد کر کے غدر بنا کر چلی جائیگی۔
مگر وہ عورت جس کے دل کو صدمہ پہنچا ہوا ہے۔ وہ جب تک اپنے بچہ کو ڈھونڈ نہ لیگی خواہ ساری ہی رات
اسے خراب ہوا پڑے ہرگز قرار نہ لیگی۔ دین اسکا نام نہیں۔ کہ ملوانوں کی طرح منطق بگھاری جائے
یا بحث مباحثہ کے ذریعہ سے مخالف پر غالب آجائے۔ بلکہ دین یہ ہے کہ اسان مصائب و شدائد
میں صبر استقلال سے کام لے استقامت رکھے امتحان کے موقع پر ہرگز نہ گھبرائے۔ جملہ انبیاء

کو ایسے واقعات پیش آتے ہیں حضرت مسیح کو بھی ایسا موقعہ پیش آیا انہیں خدا پر کھڑے تھا اور اس پر کامل یقین تھا لیکن اچانک صلیب پر لٹکا دیا گیا تو گھبراہٹ میں ایللی ایللی لما سبقتنی پکارا اٹھا غور کرنے کی بات ہے کہ مصیبت کی وقت اسکے منہ سے ایللی ایللی ہی نکلا ایللی ایللی یعنی باپ باپ جو کہا کرتا تھا وہ نہ نکلا بلکہ ربتی ربتی کہا ہر جہلا اب کو رب سے کیا نسبت (القادیان ص ۱۷) بعد نماز حضرت مسیح موعود اندرون خانہ شریف لے گئے۔

اخبار القادیان میں جو نمونہ ڈائری یکم ستمبر ۱۹۰۲ء تا ۱۵ ستمبر ۱۹۰۲ء شائع ہوئی تھی اس پرچہ کے اجراء کے بارے میں حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ:- ہماری طرف سے اجازت ہے، خواہ آپ ایک سو پرچہ جاری کریں، شاید اللہ تعالیٰ اسمیں ہی برکت دیدے۔ (القادیان ص ۱۷) ۱۹۰۲ء بعد نماز عصر مسیح موعود کے صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب کے نکاح کی تقریب ۱۲ ستمبر ۱۹۰۲ء علی بن آبی حضرت مسیح موعود کے کمرہ کے سامنے والے صحن میں جو مسجد

مبارک سے ملحق تھا جملہ اصحاب جمع ہوئے حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب خطبہ نکاح پڑھا ایجاب قبول کے بعد خرے تقسیم کئے گئے اور حاضرین مجلس کو چائے پیش کی گئی، صاحبزادہ صاحب کے تین بھائی جناب مولانا مولوی غلام حسن صاحب رجسٹرار پشاور کی صاحبزادی سرور سلطان صاحبہ کے ساتھ ہوئے، جو والدین کے گھر پشاور میں تھیں مہر ایک ہزار روپیہ مقرر ہوا۔

بہشت مختتمہ ۱۵ ستمبر ۱۹۰۲ء مولانا مولوی غلام حسن صاحب رجسٹرار پشاور سے تشریف لائے تو منہ الملاقا حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ:- خدا کا شکر ہے کہ مولوی صاحب باوجود ہمارے سلسلہ میں شامل ہونے کے ہر دلعزیز ہیں۔ اسپر مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور تقویٰ اور رزق حلال ایسی چیزیں ہیں کہ انسان کو معزز بنا دیتی ہیں حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ حقیقت میں تقویٰ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے انسان کا اکرام ہوتا ہے، طاعون کے ٹیکہ کا ذکر مجلس میں تھا، جسکے بارہ میں اشتہار تقویۃ الایمان چھپا ہوا تھا۔ اسی کے متعلق ایک نکتہ بیان فرمایا کہ:- دیکھو ایک میندار ہے جسکی زمین بارانی ہے۔ دوسرا ایک اور زمیندار ہے جسنے رات دن کی محنت سے کنوئیں سے اپنی زمین کی آبپاشی کی ہے اور اپنے کھیتوں کو بھر لیا ہے لیکن مٹا آسمان پر بادل آگئے اور بارش اتنی برسی کہ بارانی زمین والے کے کھیت پانی سے بھر گئے۔ اب غور کرو۔ کہ دونوں میں سے زیادہ شکر گزار کون ہو گا؟ کیا وہ جسنے رات دن ایک کر کے سخت محنت کے بعد اپنے کھیتوں کو پانی دیا یا وہ جو آسمان کی طرف دیکھتا رہا ہے؟

صاف ظاہری ہے کہ وہی شخص زیادہ مشکور ہوگا۔ جو ساری بات سوا بارہا اور صبح انگڑا سنے اپنے کھیتوں کو پانی سے لبالب پایا۔ یہی حال ٹیکہ طاعون کا ہے۔ ایک تو ہم ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور ایک وہ لوگ ہیں جو محض ٹیکہ پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسباب سے منع تو نہیں فرمایا۔ لیکن اس قدر مخوفی الاسباب نہ ہونے پائے۔ اور یہ شرف اسباب اسباب سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ جب ٹیکہ لگانے والوں کو طاعون سے فائدہ رہیگا جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے۔ تو وہ شخص کس قدر خوش ہوگا۔ اور اسکے لئے کتنا نشان ہوگا جو یہ کہے گا۔ کہ اوروں کو ٹیکہ نے فائدہ کیا۔ اور مجھے خدا نے اپنے خاص فضل سے محفوظ رکھا۔ یہ تراکشی آورد و مارا خدا۔ جس راہ پر ہم چلتے ہیں یہ مرحلہ دور ہے ہم اسباب کو چھوڑتے نہیں بلکہ اسے بوجھتے بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے ایک نشان ہمیں پایا ہے اسکی قدر کرتے ہیں۔ اگر وہ ہم پر ظاہر نہ کرتا۔ تو کچھ بات نہ تھی۔ لیکن اب اس نشان کے قیام کیلئے ضروری ہے۔ کہ ہم اسکی قدر کریں ہر ایک شخص اپنے صدق ثبات اور قوت ایمان کو دیکھ لے ہم کسی کو ٹیکہ لگوانے سے منع نہیں کرتے۔ اسباب پرستی پتھر پرستی سے بڑھ کر ہے۔ پتھروں کی پوجا اگر خرقہ ہے تو اسباب پرستی تپ دق ہے جسے دنیا کو ہلاک کر دیا ہے۔ یاد رکھو کہ جو شخص اسباب میں دل لگاتا ہے وہ شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے الذار والوں کی حفاظت کا قوی ذمہ خدانے لیا ہے مگر ایک دار تو وہ ہے جو خس و خاشاک کا بنا ہو اور دیوار والا گھر ہے اور وہ سر اوہ جو ہمارے منشا کے موافق روحانی طور پر اپنے اندر تبدیلی کرتا ہے۔ وہ بھی ہمارے دائرے میں ہے میری پاس ایک شیشی مشک کی ہے جس میں سے میں کھایا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کے سلسلہ کو منقطع نہیں کرنا چاہتا۔ تو جس طرح چاہتا ہے اس میں برکت دیدیتا ہے۔ میں نے گھر والوں سے کہا کہ لاؤ اس شیشی کو میں برکت دیتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اس میں پھونک کر دی بٹاک کیوقت فضل الہی ایک شیشی لایا میں نے سمجھا کہ کوئی اور دوائی ہے۔ اور ایک طرف رکھ دی صبح کیوقت جب اسے کھول کر دیکھا تو وہ مشک نکلا میں نے فضل الہی کو بلا کر دریافت کیا کہ یہ کیسے بھیجی ہے اس نے جواب دیا کہ وہ کاغذ گم ہو گیا ہے۔ اور اس شیشی پر بھی رسول فریسنڈ کا نام نہیں لکھا یہ نمونہ اللہ تعالیٰ نے برکت کلا دیا ہے۔ میں نے گھر میں خود پھونک کر دی اور دوسرے دن شیشی لگ گئی۔ یہ خدا کے عجیب کام ہیں جو اچکل ظاہر ہوئے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ لک را حکم جلد ۲ ص ۳۳

مولوی محمد حسین بنالوی کا خط حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں سنایا گیا جس میں اسنے اعتراف کیا تھا

کتاب حج کیوں نہیں کرتے ؟ اسکے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ :- میرا پہلا کام خنزیریوں کا قتل اور صلیب کی شکست ہے ابھی تو میں خنزیریوں کو قتل کر رہا ہوں بہت سے خنزیریں چلے ہیں اور بہت سے سخت جان ابھی باقی ہیں ان سے فرصت اور فراغت ہونے (الحکم جلد ۲ ص ۲۶۷) ایک دوست کو دشمنوں نے سخت تکلیف دی اور افسران بالا سے شکایت کر کے نہیں تبدیل کر دیا اسکے متعلق انہوں نے دعا کیلئے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ تبدیلی نہ ہونی چاہیئے تاکہ دشمن خوش نہ ہوں۔ اس کے متعلق حضرت صاحبؑ نے فرمایا کہ :-

خدا کے ساتھ روٹھنا نہیں چاہئے۔ اور اس کا شکوہ کرنا اسے ہماری نصرت نہیں کی سخت غلطی ہے۔ عوموں پر ابتدائے میں حضرت نبی کریمؐ تیرہ سال تک ایسی تکلیف برداشت کرتے رہے طائف میں گئے تو پتھر پڑے اور اس وقت بھی جبکہ آپؐ کے بدن سے خون جاری تھا۔ کیسا صدف اور وفا کا نمونہ دکھایا۔ اور کیسے پاک الفاظ فرمائے کہ یا امد میں یہ سب تکلیفیں اس وقت تک اٹھاتا رہو گا جتنا کہ تو راضی ہو امتحان کا ہونا ضروری ہے نیوں اور صادقوں پر ابتداء آتے ہیں حضرت مسیحؑ کو دیکھو کہ کیسا ابتدا آیا کہ دلی ایلی لما سبقتنی کہنا پڑا۔ یہودیوں نے پکڑا کر صلیب پر چڑھا دیا۔ غرض مومن کو گھبراتا نہیں چاہئے۔ اور خدا سے روٹھنا نہیں چاہیئے (الحکم جلد ۲ ص ۲۶۸)

یکم جنوری ۱۹۰۲ء صبح کی سیر کے وقت مولوی سید محمد حسن ضا اور مولوی نے اپنی جدید تصنیف کا انٹروڈکشن حضرت صاحبؑ کی خدمت میں سننا شروع کیا جو وہ پیر مر علیؑ صاحب کے متعلق لکھا ہے تھے کہ حضرت صاحبؑ کی عربی کتاب اعجاز المسیح کا جواب باوجود سر قہ مضمون مولوی محمد حسن ضا۔ سکند بھینی کے بجائے عربی کے اردو میں سیف چشتیانی کے نام سے لکھا جس سے انکی عربی تفسیر وافی کی بھی قلعی کھل گئی۔ اور اس پر حجت قائم ہو گئی کہ وہ قادیان کے گاؤں سے باہر نکلے ہی تھے کہ اونٹوں کی ایک قطار کھڑی تھی حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ یہ بعینہ ریل گاڑی کی طرح ایک سلسلہ ہے۔ دوسرا اور کوئی جانور نہیں جسے ایک دوسرے کیساتھ آگے پیچھے اس طرح ہانڈھیں مگاریاں بھی اسی طرح ہانڈھیں جاتی ہے۔

پیر مر علیؑ صاحب گولڑوی کی کتاب سیف چشتیانی کے متعلق حضرت نے فرمایا کہ :- اسنے دوسرا کام کیا ہے اول فیضی کی موت کا ہماری پیشگوئی کے مطابق مرجانا اور دوسرا پیر گولڑوی صاحب کی پردہ دری ہونا۔ اگر فیضی زندہ رہتا۔ تو ممکن تھا کہ وہ اپنی اصلاح کر لیتا۔ یا اس ارادہ سے ہی باز آجاتا۔ لیکن پیشگوئی کے مطابق موت نے اُسے آیا۔ اور گولڑوی صاحب اسکی

عربی تفسیر کے بارے میں

کچی ہانڈی کھانے بیٹھ گئے اور اس بات کا ذرہ خیال کیا کہ اسکی ہر ایک بات بطور خود تحقیق بھی کر لے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسنے اپنی بھی پڑھ وری کر لی اور مولوی محمد حسن صبا کی بھی۔ مولوی سید محمد حسن صبا نے ابنہ الہی آئے ہوئے ایک خط کا ذکر حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں کیا کہ نویند لکھتا ہے کہ کشتی نوح میں حضرت صاحبِ نبیؑ کی بہنوں اور بھائیوں کا ذکر کیا ہے اس سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یوسف بخار کو یا حضرت مسیح کا باپ تھا۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:- ہم مسیح کو باپ پیدا شدہ مانتے ہیں اور یہی ہماری بہت سی کتابوں میں مسالوں اور اخباروں میں لکھا جا چکا ہے اور ہم اس بات کو کیا کریں کہ یہ تاریخی غلطی مسلمانوں میں پیدا ہو گئی ہے جو صحیح تاریخ سے ثابت ہے کہ مریم کا یوسف کیساتھ نکاح ہو گیا تھا جس سے اولاد بھی ہوئی تھی۔ ہم نے تو اس اولاد کا ذکر کیا ہی اسی قسم کی دوسری غلطی واقعہ صلیب کے متعلق ہے مسیح کو صلیب دئے جانے کے دردناک قہقہے موجود ہیں لیکن مسلمان علماء کے نزدیک وہ چھت پھاڑ کر آسمان کو اڑا گیا تھا۔ اب اسمیں کس کا قصو ہے یہ مولوی لوگ اسے بالکل خدا ہی بنانا چاہتے ہیں کہ بشریت اس کے نزدیک بھی نہ ملے پائے اس طرح سے حضرت مریم کو ساری عمر تولد پھر ان کے انہوں نے نکاح ہی نہ کیا تھا بری غلطی ہے رات تاریخی امو سے ہم انکار نہیں کر سکتے مسیح کے بارہ میں ہمارا یہی مذہب ہے کہ وہ بن باب پیدا ہوئے۔ مولوی مبارک علی صبا سیالکوٹی نے عرض کی کہ حضور اس امر کی تائید میں کہ حضرت مریم نے ساری عمر نکاح نہیں کیا۔ قرآنی آیت والی اُحْصَنْتُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ بطور دلیل لگاتے ہیں اس پر حضرت مسیح موعودؑ فرمایا لفظ محصنا تو خود قرآن مجید میں نکاح الی عورتوں پر بولا گیا ہے والمحصنات من النساء اور الی اُحْصَنْتُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ کے معنی تو یہ ہیں کہ اس نے زنا سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ یہ معنی کہاں سے نکلے کہ اسنے ساری عمر نکاح ہی نہیں کیا۔ حضرت مسیح کے آیتہ امہ ہونے میں کوئی خصوصیت نہیں ہے جو محض امہ کی طرف سے آتا ہے وہ آیتہ امہ ہی ہوتا ہے براہین احمدیہ میں مجھے غائب کر کے فرمایا گیا ہے لِنَجْعَلَكَ آيَةً اس طرح حضرت مریم بھی آیت امہ تھے حضرت مسیح کو کوئی خصوصیت نہیں حضرت عزریہ بھی اسمیں آیتہ امہ تھے مخالف مولویوں کی طرف سے ہمارے حصہ میں تو گالیاں ہی آئی ہیں اب ہمارے اس سالہ کشتی نوح کو بھی پڑھ کر بہت سی باتیں بنائیں اور گالیاں دینے کوئی فریبی اور مکار کہیں اور کوئی کچھ۔

اب ہم پرفیصلیت کے دعویٰ کو یہ لوگ بری نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی صریح وحی سے مجھے معلوم کروایا گیا ہے کہ محمدی سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسیٰ سلسلہ کے خاتم الخلفاء سے بڑھ کر ہے اور غور کر کے دیکھ لو کہ ہر ایک بات محمدی سلسلہ کی موسیٰ سلسلہ سے بڑھی ہوئی ہے موسیٰ صرف بنی اسرائیل کیلئے آئے تھے۔ لیکن حضرت رسول کریمؐ کل دنیا کیلئے مبعوث ہو کر آئے پھر آپؐ کے بارے میں فرمایا گیا اَوَسْمٰلُكَ اَوْلٰدِ

الْعَالَمِينَ پھر کون کی تائیدات حضرت موسیٰ کی تائیدات سے بہت بڑھکر ہیں لیسطح آپ کے اعجازی
 نشان حضرت موسیٰ سے بڑھکر ہیں آپ کو جو کتاب یکتی ہے وہ حضرت موسیٰ کی کتاب سے بہت بڑھکر اور ہمیشہ
 کیلئے ہے۔ آپ کی کامیابیاں بڑھکر ہیں۔ غرض کل سامان آپ کے بڑھے ہوئے
 ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کے سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم
 الخلفاء سے بڑھکر نہ ہو؟ ہم ایسے نبی کے وارث ہیں۔ جود حَمَّةٌ لِّلْعَالَمِينَ
 ہے۔ اور کافۃ للناس کے لئے۔ رسول ہو کر آیا۔ جسکی کتاب کا خدا خود محافظ
 اور جس کے حقائق اور معارف سب سے بڑھکر ہیں۔ پھر ان حقائق و معارف کو پانے
 والا۔ کیوں کم ہو۔ پھر آیتِ دَاخِرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْقَیْہُمْ اَبَہُمْ جُوفِیًّا مَّوَدَّہُمْ
 یہ مسیح موعود کے زمانہ کے لئے ہے۔ اور اس میں مِنْهُمْ کے وہی معنی ہیں۔ جو اباکم
 مِنْكُمْ میں مِنْكُمْ سے مراد ہیں۔ اور اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ گروہ
 بھی صحابہ رضی ہی کا گروہ ہے۔ حضرت عیسیٰ کے لئے یہ دیجہ کہاں؟ اور پھر حضرت
 عیسیٰ اگر اسی شان سے آتے۔۔۔۔۔۔ جس شان سے وہ پہلے آئے
 تھے۔ تو وہ ہرگز وہ کام نہ کر سکتے۔ جو مسیح موعود کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا
 ہے۔ اُن کا دائرہ بہت تنگ اور چھوٹا تھا۔ لیکن مسیح موعود کا دائرہ بہت وسیع
 ہے۔ ان جملہ امور پر جب نظر ڈالی جائے۔ تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود
 یعنی مسیح محمدی ابن مریم یعنی مسیح موسوی سے بڑھا ہوا ہے۔ اور خود عیسیائیوں
 نے بھی مسیح کی آمد ثانی کو۔ اس کی پہلی آمد کے مقابلہ میں بڑھکر مانا ہے۔
 اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ جس نے ہمیں انگریزوں کی سلطنت
 میں پیدا کیا۔ ورنہ اگر اسلامی سلطنت ہوتی۔ تو ان مولویوں ہی کے قابو میں ہوتی
 جو ہماری نسبت قتل اور کفر کے فتوے دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انگریزوں
 کو بھیج دیا کہ جنھوں نے کل مذاہب کو آزادی دیدی۔ اور ہمارے لئے بھی ایسا
 ملک چن لیا۔ کہ جس میں کل مذاہب کا مجموعہ موجود ہے۔ اور ہم یہاں رہ کر وہ کام کر
 سکتے ہیں۔ چونکہ مدینہ میں رہ کر نہ کر سکتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں کی
 خوشامد کرتے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ ہم ھَلْ جَزَاؤُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَان پر
 عمل کرتے ہیں۔ خوشامدہ لوگ کرتے ہیں۔ جو مانتے تو ہیں کہ اَلَا تَمۡتۡہُ مِنْ
 قُوۡتِیۡسٍ لِّیۡکِنۡ سُلۡطٰنُ رُومَہٗمَ لَیۡسَ اَمِیۡرُ الْمُؤۡمِنِیۡنَ ہُوۡنَہٗمَ کَافِتُوۡلَیۡہٗ دِیۡتَہٗمَ ہیں۔

گویا انکے دلوں میں ایمان کچھ اور ہے اور زبان سے کچھ اور ظاہر کرتے ہیں لیکن ہم تو دینی ظاہر کرتے ہیں جو ہمارے دل میں ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کیسے خوشامد اور نفاق کے طور پر لیکن ہمارے مخالف ملا لوگ محض خوشامد اور نفاق کے طور پر وہ بات بیان کرتے ہیں جو انکے دلوں میں نہیں ہے۔

اسکے بعد حضرت مسیح موعودؑ اندر دل خانہ شریف لے گئے۔ غبر و عصر کی نمازیں اپنے باجماعت ادا فرماتے۔ لیکن کوئی قابل ذکر معاملہ پیش نہ آیا۔ شام کی نماز ادا کرنے کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے کتاب کشتی نوح کی اشاعت کے متعلق فرمایا کہ امید ہے انشاء اللہ جمعہ تک شائع ہو جائیگی۔ انگریزی سلطنت کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ مسیح ابن مریم کے ساتھ ہمیں مشابہت ہے۔ اور ان کے لئے قرآن کریم میں فرمایا کہ **وَإِنَّمَا إِلَهُ الْبَرِّ وَالتَّائِبِينَ رَبُّوهُ ذَاتُ قُدْرَةٍ مَّعِينَةٍ** یعنی واقعہ صلیب کے بعد انکو ایک اپنے ٹیلے پر جگہ دی جہاں امن کی جگہ اور پانی کے چشمے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ یعنی واقعات مسیح میں تو صرف ظل تھا۔ اور یہاں اصل ہے۔ ہم کو ایسی جگہ پناہ دی جہاں یہودیوں کا بس نہیں چل سکتا یعنی سلطنت انگلشیہ کے ماتحت۔ اب یہاں یہودی ہم پر کسی قسم کا حملہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے لئے یہ پناہ کی جگہ ہے۔ اور حقائق اور معارف کے چشمے یہاں بہہ رہے ہیں۔

اتنے میں آسمان غبار آلود ہو گیا۔ اور بجلی کو ند نے لگی بعض اجباب نے چاہا کہ چھت پر سے اتر کر نیچے چلے جائیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-
دیکھو جو امر آسمان پر ہوتا ہے۔ اسمیں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔
میرزا ناصر آباد صاحب نے عرض کی کہ حضور اگر غور کر کے دیکھا جائے۔ تو پہلے زمانہ کی بہ نسبت اب خدا کا فضل بہت زیادہ ہے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

وہ زمانہ اس آخری زمانہ کا نمونہ تھا۔ اور بطور اہل ص تھا۔ صوفیوں نے لکھا ہے کہ قرآن کریم عصاء موسیٰ کا قائم مقام تھا۔ جو مذاہب مخالفہ کو کھا جانے والا ہے۔ اور حقیقت بھی یوں ہی ہے۔ کہ قرآن شریف کے مقابل پر دوسری اور کوئی کتاب نظر نہیں آتی۔

مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی نے اپنی ایک رو یا سنائی کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ سیالکوٹ کے بازار میں ایک آریہ بڑے کچے تھلے والا وعظ کرتا ہے۔ اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ وید کی دعاؤں کی طرف توجہ کرو۔ انہیں یہ سنکر جوش اور غیرت آئی۔ اور اُسے کہا کہ بیشک وید میں دعائیں تو ہیں۔ لیکن انکی قبولیت اور مستجاب الدعوت لوگوں کی علامات کا کوئی نشان بتاؤ۔ وید میں وہ کہاں بیان شدہ ہیں۔ اسپر وہ بہت چھوٹا سا ہو گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ یہ خواب مبارک اور آریوں پر فتح کی دلیل ہے حقیقت میں خدا سے بے نصیب جانا یہی بڑا بھاری دوزخ ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ سہ حکایتے است کہ از روزگار ہجران است۔ اصل بات یہی ہے کہ جب انسان دنیا کو مقدم کر لیتا ہے۔ خواہ جان کے لئے ہو یا مال کے لئے اور یادوت و بلوک کے لئے تو اس کا دین کی طرف آنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے دین کو طلب کیا ہے۔ وہ اس مقام پر اس وقت تک نہیں پہنچے جب تک انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مقدم نہیں کر لیا۔ اور منقطعین اور مبتلین میں داخل نہیں ہو گئے۔ شعر سے سخن انیسیت کہ مابے تو نحو اسیم حیات۔ بشنوئے پیک سخن گیر و سخن باز ساں۔ قرآن شریف نے جو فرمایا ہے۔ اُجِیْبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ اس سے صاف طور پر معامی ہو تا ہے۔ کہ دعا کا جواب ملتا ہے۔ پس وید کی دعائیں بے ثمر ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ملتا ہے۔ بلکہ ساری دعائیں الٹی ہی پڑتی رہی ہیں۔

مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی نے عرض کی کہ آج وہ کتاب تعبیر الرویا پڑھ رہے تھے۔ پڑھتے پڑھتے ایک مقام پر انہیں بڑا لطف آیا۔ جہاں لکھا تھا۔ کہ اگر کوئی شخص حضرت عیسیٰؑ کو خواب میں دیکھے۔ تو وہ اسپر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ شخص نقل مکان کریگا۔ مفتی محمد صادق صاحب آج کل حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں ایک کتاب سنا ہے تھے جسے داستان مسیح کہنا چاہئے۔ اس میں واقعات صلیب کو نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا ہوا تھا۔ اور ان سے ان اسرار کا پتہ لگتا تھا جو حضرت مسیح کے صلیب پر سے زندہ اتار لئے جانے کے موید تھے۔ مفتی صاحب نے عرض کی کہ ایک مقام پر لکھا ہے۔ کہ جب حضرت مسیح کو صلیب

پر چڑھانے کا حکم مل چکا۔ اور پہلا طوس اور اسکی بیوی کو آپ کی رہائی کی تذاویر میں کامیابی نہ ہو سکی۔ تو پہلا طوس کی بیوی نے کہا کہ اب ہمیں علی تذاویر میں لگ جانا چاہیئے۔ اور اس شخص کے بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

چونکہ آندھی کا زور بڑھ گیا۔ اور بارش کا اندیشہ ہو گیا اسلئے نماز عشا ادا کر لی گئی۔ اور حضرت مسیح موعودؑ اندر تشریف لے گئے۔ (الحکم جلد ۶ ص ۳۷)

۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء آج صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب کی بارات علی الصبح قادیان سے رٹ کی ضلع

سہارنپور کو روانہ ہوئی۔ جسمیں مولانا مولوی نور الدین صاحب مولوی سید محمد حسن صاحب۔ میر ناصر نواب صاحب ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب۔ ڈاکٹر نور محمد رضا پیر سراج الحق صاحب اور مفتی محمد صادق صاحب تھے۔ بارات شام کو رٹ کی ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے ہاں پہنچی جنہوں نے مہاجباب کے اسٹیشن پر استقبال کیا۔ صبح کی سیر میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

ہزارہ بدبخت لوگوں سے قبریں بھری پڑی ہیں۔ اور ہزاروں نامراد بادشاہ ان قبروں میں بونگے انسان اگر مرنا چاہتے ہیں خاندان کے فوت شدہ لوگوں پر قیاس کرتے تو بڑی عبرت حاصل کر سکتا ہے۔ انسانی عمر کا سلسلہ اپنے خاندان سے ہی معلوم کر سکتا ہے۔

بعض خاندان ایسے ہوتے ہیں۔ کہ انکی عمر پچاس سال تک پہنچتی ہیں۔ ناگپور

اور صوبجات متوسط میں انسانی عمر بہت ہی چھوٹی ہوتی ہیں۔ یہاں پنجاب

میں بھی کئی خاندانوں کی عمریں چھوٹی ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کا بھید ابھی تک

کسی کو معلوم نہیں ہو سکا۔ انگریز محققین ان تحقیقات پر ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔

کہ زمینداروں کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں۔ بادشاہی تخت کرنے والوں کی۔ لیکن

تاحال یہ خیالی پلاؤ ثابت ہوئے ہیں۔ کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے۔ انسانی عمر

بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ اس سے تو بعض حیوانات کی عمریں ہی زیادہ ہوتی

ہیں۔ مثلاً کچھوہ کی عمر پانچ ہزار سال ہوتی ہے۔ اسی لئے اسے عربی زبان میں

غیاہ کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ گویا ہمیشہ جوان ہی رہتا ہے۔ سانپ کی عمر بھی بڑی

ہوتی ہے۔ بعض سانپ ہزار ہزار سال تک زندہ رہتے ہیں۔

جس کام کو کہے کہ کرونگا اسے ضرور۔ ملتی نہیں وہ بات خدا کی بھی تو ہے۔
 اللہ تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہے۔ وہ ضرور ہو کر رہتا ہے۔ اور چاروں طرف سے
 ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور ایسا زور اور دباؤ آپڑتا ہے۔ کہ آخر وہ کام
 ہو کر ہی رہتا ہے۔ بڑے بڑے راجے اور بہاراجے جو بعض اوقات سلمان ہو
 گئے۔ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی اسطرح ہر تھی چاروں طرف سے ایسے سامان پیدا ہو گئے
 کہ مجیز اسلام لانے کے انہیں کچھ چارہ نہ رہا۔

مذہب ایک ایسی چیز ہے۔ کہ مختلف مذاہب کے لوگ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے
 سنت اللہ کا نہ سمجھنا بھی ایک ذہن ہے۔ جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ قرآن
 شریف میں لکھا ہے۔ کہ بعض وقت بلا کو ہم ٹال دیتے ہیں۔ تو انسان بیباک ہو
 کر کہتا ہے۔ کہ بلا ٹل گئی۔ اور پھر شوشیاں کرنی شروع کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ

ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اسے پھر

پکڑتا ہے۔ اور سخت پکڑتا ہے۔ اور آخر ہلاک کر دیتا ہے۔ پس اگر
 کسی سال طاعون کم ہو جائے۔ تو اس سے دلیر نہیں ہو جانا چاہیئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ
 کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ مسیح موعود کے وقت میں وبا کا پھیلنا
 عیسائیوں اور مسلمانوں کے نزدیک تو مسلم ہی ہے۔ لیکن ہندو بھی مانتے ہیں۔ کہ
 آخری زمانہ میں ایک وبا پیدا ہوگی۔ اور اس وقت جو مصلح آئیگا۔ اس کا نام رو
 درگو پال ہوگا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جملہ مذاہب میں جس طرح آخری زمانہ
 میں ایک مصلح موعود کے آنے کا عقیدہ مشترک ہے۔ اسی طرح ایک وبا کا آنا بھی
 مشترک پایا جاتا ہے۔ پس دعاؤں سے بہت کام لینا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے
 حضور۔۔۔۔۔ تو بہ استغفار کرنی چاہیئے۔ کیونکہ وہ ذات غنی اور بے نیاز
 ہے۔ اسپر کسی کی حکومت نہیں۔ اگر ایک شخص عاجزی اور فروتنی سے اس کے حضور
 نہیں آتا۔ تو اس کو ایسے شخص کی کیا پرواہ ہے۔ دیکھو اگر ایک سائل کسی غنی کے
 پاس آکر اپنا حجز اور غربت ظاہر کرے۔ تو اس کے ساتھ ضرور کچھ نہ کچھ سلوک کیا

جاتا ہے۔ لیکن اسکے خلاف اگر ایک شخص گھوڑے پر سوار اگر سوال کرے اور ساتھ ہی کہے کہ اگر نہ دو گے تو ڈنڈا مار دوں گا۔ ایسے شخص کو جواباً بجز ڈنڈے پڑنے کے۔ اور کیا ملے گا اس لئے اللہ تعالیٰ کے حضور اگر ڈر مانگنا اور اپنے ایمان کو مشروط کرنا ٹری بھاری غلطی اور ٹھوکر کا موجب ہے۔ دعاؤں میں استقلال اور صبر ایک الگ امر ہے۔ اور اگر ڈر مانگنا اور ضد کرنا دوسری بات ہے۔ یہ کہنا کہ اگر میرا فلان کام نہ ہوا۔ تو میں انکار کر دوں گا۔ یا ایسا ویسا کہہ دوں گا۔ بڑی نادانی اور شرک ہے۔ اور آداب الدعائے ناواقعی کا نتیجہ ہے۔ ایسا کہنے والے لوگ دعا کی فلاسفی سے ناواقف ہیں قرآن شریف میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ تمہاری ہر ایک دعا تمہاری مرضی کے مطابق ضرور قبول ہوگی ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ اسمیں فرمایا ہے کہ اَدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ لیکن ساتھ قرآن میں یہ بھی تو لکھا ہے۔ وَ لَنْبَلُوْا کُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ اَلْخَوْفِ وَ اَلْجُوعِ اَلْاَدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ میں اگر خدا انسان کی مانتا ہے۔ تو دوسری آیت میں اپنی مرضی اس سے منوانا چاہتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ اور اسکی بخشش ہے کہ وہ اپنے بندہ کی بھی مان لیتا ہے۔ ورنہ اسکی ربوبیت اور الوہیت کی شان کے یہ بات خلاف نہیں تھی کہ ہر امر میں اپنی ہی منواتا رہے۔ وَ لَنْبَلُوْا کُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ اَلْخَوْفِ جو فرمایا۔ تو ایسے مقامات پر وہ اپنی مرضی انسان سے منوانا چاہتا ہے۔ انسان کو کسی قسم کا خوف ہوتا ہے۔ بھوک آجاتی ہے۔ مالوں میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ تجارت میں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ثمرات اور اولاد ضائع ہو جاتی ہے۔ اور کئی قسم کے نقصان وہ نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں ایسے تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہوتی ہے۔ اور ان اوقات میں وہ اپنی شان حکومت دکھانا چاہتا ہے۔ اور اپنی رضا منوانا چاہتا ہے۔ ایسے حالات میں ایک صادق اور مومن کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ نہایت اخلاص اور الشرح صدر سے خدا کی رضا کو مقدم کر لیتا ہے۔ اور اسپر خوش ہو جاتا ہے۔ کوئی شکوہ و بدظنی نہیں کرتا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و بشر الصابرین پس صبر کرنے والوں کو بشارت دو۔ یہ نہیں فرمایا کہ دعا کرنے والوں کو بشارت دو۔ بلکہ صبر کرنے

والوں کے لئے بشارت رکھی ہے۔ اسلئے یہ نہایت ضروری امر ہے کہ انسان اگر بظاہر اپنی دعاؤں میں ناکامی دیکھے۔ تو گھبرانہ جائے۔ بلکہ نہایت صبر اور استقلال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کرے اہل اللہ کو نظر آجایا کرتا ہے کہ فلان کام ہونے کے لائق ہے پس جب وہ ایسی صورت دیکھتے ہیں۔ تو دعا کرتے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر راضی رہتے ہیں۔ اہل اللہ کے دوہی کام ہوتے ہیں جب کسی بلا کے آثار دیکھتے ہیں۔ تو دعا کرتے ہیں۔ لیکن جب دیکھتے ہیں کہ قضا و قدر اسی طرح پر ہے۔ تو صبر کرتے ہیں جس طرح سے کہ آنحضرتؐ نے اپنے بچوں کی وفات پر صبر کیا جنہیں سے ایک بچہ ابراہیم بھی تھا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ دو تقسیمیں کھدی ہیں۔ اور یہ اسکی سنت ٹہر چکی ہے۔ اور یہ بھی اسنے فرمایا ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا پھر کس قدر غلطی ہے کہ انسان اسکے خلاف خواہش کرے مینے بار بار بتایا ہے کہ انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دو تازہ معاملہ دکھائے۔ کبھی ایک دوست دوسرے کی بات مان لیتا ہے۔ اور کبھی اپنی منواتا ہے۔ اور دعا کا وجود انسان اور اللہ تعالیٰ میں بھاجی کی طرح سے ہے۔ اگر انسان یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ ایک کمزور رعایا کی طرح سے انسان کی ہر ایک بات ماننا ہی چلا جائے۔ تو یہ فہم کا نقص ہے۔ ماں جو اپنے بچے سے ارحم پیدا کرتی ہے۔ اور اسکی خواہشات پوری کرنے پر تیار رہتی ہے۔ اپنے بچے کی ہر ایک بات نہیں مان سکتی۔ مثلاً کسی وقت بچہ ایک روشن انگارادیکھ کر اسے طلب کرتا ہے۔ تو وہ اسے کب دے سکتی ہے۔ اسبطرح جب بچہ کی آنکھیں دکھتی ہوں۔ یا اور کسی قسم کی بیماری ہو۔ تو زنگ یا کوئی اور کڑوی دوائی اسے دینی ہی پڑتی ہے۔ بعینہ اسی طرح پر انسان چونکہ تکمیل کا محتاج ہے۔ بعض دفعہ اسے سزا دینے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ تاکہ وہ صدق و وفا اور ثبات قدم میں کامل ثابت ہو۔ اسکے علاوہ دعا کرانے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ صابر ہو۔ جلد باز نہ ہو۔ کہ ذرا سی بات پر دجال وغیرہ کہنے کو طیار ہو جائے۔ ایسا شخص دعا سے کیا فائدہ حاصل کر سکتا ہے دعا کرانے والے کے لئے ضروری ہے کہ صبر کے ساتھ انتظار کرے۔ اور حسن ظن سے کام لے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں۔ وَلَنَجْوَئَكُمْ ط فرمایا ہے۔

تو ساتھ ہی اسکے صبر کرنے والوں کے لئے بشارت بھی رکھ دی۔ اور اُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ بھی فرمایا۔ میرے نزدیک اسکے ہی معنی ہیں۔ کہ قبولیت دعا کی ایک راہ نکال دیتا ہے۔ دنیاوی حکام کا بھی یہی حال ہے۔ کہ جس شخص پر نافرمانی ہوتے ہیں۔ اگر وہ اس نافرمانی کو صبر کے ساتھ برداشت کرے اور شکوہ شکایت اور بدظنی سے کام نہ لے تو اسے ترقی دیدیتے ہیں۔ قرآن شریف سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایمان کی تکمیل کے لئے ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ اَحْسِبَ النَّاسَ اَنْ يَتَذَكَّرُوْا اَنْ يَقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۚ یعنی کیا لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ صرف اٰمنا کہہ دینے سے چھوڑ دے جائیں۔ اور وہ فتنوں میں نہ پڑیں۔ انبیاء کی طرف دیکھو۔ اوائل بعثت میں انہیں کس قدر دکھ ملتے ہیں۔ حضرت نبی کریم کو مکی زندگی میں کس قدر تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ طائف میں جب آپ تشریف لے گئے۔ تو وہاں کے لوگوں نے آپ کو اس قدر پتھر مارے۔ کہ خون جاری ہو گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا۔ کہ کیسا وقت ہے میں کلام کرتا ہوں۔ اور لوگ منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور بعد اسکے فرمایا۔ کہ اے میرے رب میں اس دکھ پر صبر کروں گا جب تک کہ تو راضی ہو جائے۔ اولیاء اور اہل اللہ کا یہی مسلک اور عقیدہ ہوتا ہے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عشق کا خاصہ ہے کہ مصائب آتے ہیں۔ انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے۔

عشقا بے را تو مغر گرداں خوردی باشیر دلاں چہ رشتی با کردی
 انہوں کہ ہمارے نبرد آوڑی ہر جیلہ کہ داری نکنی نامردی

مصائب اور تکالیف پر اگر صبر کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قضا پر رضامندی ظاہر کی جائے۔ تو وہ مشکلات الٰہی کا مقدمہ ہوتی ہے۔

ہر بلا کی قوم را اودادہ است زیراں یک گنج با بھادہ است
 حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ مکہ فتح ہو گیا۔ دعا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرط باز دھنا سخت غلطی اور بڑی نادانی ہے۔ جن مقدس لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکے فیوض کو حاصل کیا ہے۔ انہوں نے اس طرح پر حاصل کیا ہے کہ اسکی راہ میں مرنے کو رضا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب

اچھی طرح جانتا جو لوگ ہمازی دعا کی غیر قبولیت کالوگوں سے شکوہ کرتے رہتے ہیں وہ اپنے نفسوں پر گمراہی کی ٹہر لگاتے ہیں۔ ہم لوگوں کی شامت اعمال کو روک نہیں سکتے۔ وہ لوگ ہمیشہ نامراد رہتے ہیں۔ جو کسی فیلی اور مامور کی سچائی کا یہ معیار ٹھہرتے ہیں کہ اسکی ہر ایک دعا ان کی خواہش کے مطابق پوری ہوتی رہے۔ جو ولی یا مامور یہو کر الیادعوئے کرے تو وہ کذاب ہے۔ حضرت یعقوب چالیس سال تک دعائیں کرتے رہے پھر حضرت نبی کریم کی طرف دیکھو کہ ملکی زندگی میں آپ پر مصائب بڑھتی ہی گئیں۔ کیا آپ دعائیں نہ کرتے ہونگے؟ جو لوگ آسمانی علوم سے ناواقف ہوتے ہیں۔ وہ ان اسرار کو سمجھ نہیں سکتے۔ لکھا ہے کہ ایک شخص آنحضرت پر ایمان لایا۔ اور وہ اندھا ہو گیا۔ جسپر اسنے کہا کہ اسلام اسکے لئے مبارک نہیں۔ اور پھر مرتد ہو گیا۔ اس قسم کا خیال رکھنے والے لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے۔ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ ایک رات آنحضرت کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ تیرے لئے شہادت مقدر ہے۔ اگر تو صبر نہ کریگا۔ تو اختیار و ابرار کے دفتر سے تیرا نام کٹ جائے گا۔

نمازیں بھی ظہر سے ہی شروع ہوتی ہیں۔ جو زوال کا وقت ہے۔ یہاں تک کہ غروب تک انسان بالکل تاریکی میں جا پڑتا ہے۔ پھر رات کے وقت دعائیں کرتا ہے۔ یہاں تک کہ صبح سے جا حصہ لیتا ہے۔ نماز کی تقسیم بتاتی ہے کہ اس تقسیم میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک نماز صبح کے وقت رکھی ہے۔ اور باقی چار ایسی رکھی ہیں۔ جو زوال اور تاریکی سے حصہ رکھتی ہیں۔ ایسا ہی سورہ فاتحہ میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ایسے الفاظ رکھے ہیں۔ جو اس منشاء کو ظاہر کرتے ہیں۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ سے صاف طور پر پایا جاتا ہے۔ کہ کچھ نہیں چاہتے۔ صرف تیری عبادت کرتے ہیں۔ اور اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ سے دعا کا مانگنا پایا جاتا ہے۔ گو یا اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں اُدْعُوْنِیْ اسْتَجِبْ لِّکُمْ اور وَ کُنْ بِکُمْ تَحْتَ اَیْمَانِ ہے۔ کہ بھلائی بُرائی کا خیال نہ رہے۔ سلب امید و امانی ہو۔ اور اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں دعا کی تعلیم ہے۔

بعد نماز ظہر حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں (ریاست بہاولپور) والے کا ذکر ہوا۔ اسپر اپنے فرمایا کہ اسنے اپنے خط میں بڑی صفائی سے لکھ دیا تھا کہ میں آپ کے دعوے کا مصدق ہوں۔ اور میں نے کبھی ساری عمر بدظنی نہیں کی۔ یہ ایک ایسا جرأت کا کام تھا۔ جو دوسرے گدی نشینوں سے نہ ہو سکا۔ اور کسی نے ہمارے خط کا جواب تک نہ دیا۔ اور نہ کسی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی جرأت کی توفیق بخشی۔ میرے خیال میں وہ نیکی جو اسکی طبیعت میں راسخ تھی اسی کا یہ ثمرہ تھا۔ کہ اسے ہماری تصدیق کی توفیق ملی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص سلمان ہو گیا۔ اور وہ قبل از اسلام بڑا سخی تھا۔ حضرت نبی کریمؐ کے حضور اسنے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ میں نے اسلام لانے سے پہلے جو سخاوت کی تھی۔ اس کا بھی اجر مجھے ملیگا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہی سخاوت تو مجھے اسلام کی طرف کھینچ لائی ہے۔

عصر کی نماز کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں حافظ محمد یوسف صاحب ضلع دارنہر کا ذکر آیا۔ جسنے تحفہ گوڑوہ کی اشاعت پر ایک اشتہار شائع کیا۔ کہ آیت کو تقوٰی علیٰنا پر جو اس سے مطالبہ کیا گیا تھا۔ کہ کوئی ایسا سفتری علی اللہ پیش کرے۔ جسنے اللہ تعالیٰ پر تقول کیا ہو۔ اور اپنے مفتریات کو شائع بھی کیا ہو۔ اور پھر اسنے تیس سال کی مہلت بھی پائی ہو۔ تو اسے انقدر روپیہ انعام ملیگا۔ اس اشتہار میں اسنے ایک امرتسری مخالف کے اشتہار قطع الوتین کا حوالہ دیکر حجت کو ٹالنے کی کوشش کی تھی۔ اور ندوہ العلماء کے جلسہ میں حضرت مسیح موعودؑ کو بلایا تھا۔ اسپر حضرت اقدسؑ نے تجویز کی کہ اسکے متعلق ایک مختصر سا اشتہار ندوہ العلماء کو مخاطب کر کے شائع کیا جائے۔

بعد نماز شام شیخ عبدالرشید صاحب زمیندار و تاجر میرٹھ حضرت مسیح موعودؑ سے بواسطت مولوی عبدالکرم صاحب ملے ضمیمہ شمعہ ہند میرٹھ کے متعلق ذکر آنے پر شیخ صاحب نے عرض کی کہ انہوں نے تو ارادہ کیا تھا کہ بذریعہ عدالت اسکے سخت توہین آمیز مضامین کا نوٹس لوں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ ہمارے لئے خدا کی عدالت کافی ہے۔ یہ گناہ میں داخل ہوگا۔ اگر ہم خدا

کی تجویز پر تقدم کریں، اسلئے ضروری ہے کہ صبر اور برداشت سے کام لیں۔ بعد اسکے مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے اپنی پنجابی نظم سنائی جو لطیف اور معنی خیز تھی خصوصاً عورتوں کے لئے (الحکم جلد ۶ ص ۳۷۷)

۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ بیعت تیار ی جمعہ حضرت مسیح موعودؑ سیر کے لئے صبح تشریف نہ لے گئے

جمعہ کی نماز سے پیشتر ندوۃ العلماء کے جلسہ پر تقسیم کرنے کے لئے آپ نے اشتہار لکھا جو بجائے اشتہار ایک کتاب کی صورت میں مکمل ہوا۔ جمعہ کی نماز کے لئے آپ ایک بجے دوپہر سے چند منٹ پہلے مسجد میں بیعت منشی حبیب الرحمن صاحب نمبر دار حاجی پور تشریف لائے۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے ٹھیک ایک بجے خطبہ جمعہ شروع کیا۔ اور بعد نماز جمعہ حضرت اقدس اندرون خانہ تشریف لیکے بعد نماز مغرب شیخ عبدالحق صاحب نومسلم نے اپنے ایک نئے رسالہ کا نام رکھنے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کی۔ جو انہوں ایک عیسائی کے رسالہ سچا اسلام کے جواب میں لکھا تھا۔ اس عیسائی نے عیسویت کو سچا اسلام قرار دیا تھا۔ حضرت اقدس رسالہ کا نام تجویز فرما رہے تھے کہ چند آدمیوں نے بیعت کی درخواست کر دی۔ جبہ اپنے فرمایا کہ ان کی بیعت لے لینے کے بعد نام رسالہ تجویز کیا جائیگا۔ چنانچہ وہ لوگ بیعت کے لئے پیش ہوئے اور آپ نے ان سے بیعت قبول لی۔ اور بعد ختم بیعت کے شیخ صاحب کے رسالہ کا نام اسلام انصائے یا اسلام انصائے تجویز فرمایا اور فرمایا کہ :-

اس رسالہ کا نام اسلام انصائے رکھو۔ اور اصل رسالہ سے پہلے ایک چھوٹا سا مقدمہ لکھو کہ سچا اسلام تو یہ ہے کہ قولاً اور فعلاً اللہ تعالیٰ کو اپنی ساری طاقتیں سپرد کر دی جائیں۔ اور اُسکے احکام کے اگے گردن رکھ دی جائے۔ اور کوئی اس کا شریک نہ بٹھرایا جائے۔ اور ہر قسم کی بددعا ہی سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن عیسائی لوگ تو اُس خدا سے دور ہیں جو اسلام نے بتایا ہے۔ اور جب کی تعلیم جملہ انبیاء نے دی ہے۔ یہودی قوم ابھی مرنے لگی۔ ان سے دریافت کر کے دیکھ لو کہ وہ کس خدا کو مانتے ہیں۔ وہ صاف طور پر کہتے ہیں

کہ تو ریت نے اسی خدا کی طرف رہنمائی کی ہے۔ جسے قرآن نے بیان کیا ہے۔ وہ انجیل کے خدا کو کب مانتے ہیں۔ جو مریم کا بیٹا ہے۔ اور جسے عیسائیوں نے خدا بنا رکھا ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ مقدمہ میں اصلی اسلام کی تعریف بیان کی جائے۔ اور بتایا جائے کہ عقل اور روشنی قلب کس مذہب کو تسلیم کرتی ہیں۔ عیسائیت کو یا اسلام کو؟ پھر اسی مقدمہ میں عیسائی مذہب کی خرابیاں دکھائی جائیں کہ انجیل نے کیا تعلیم دی ہے۔ مثلاً طلاق کا مسئلہ ہی لے لو۔ کہ انجیل میں لکھا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے۔ وہ زنا کرتا اور کرتا ہے لیکن زمانہ کے واقعات اور ضروریات نے عیسائیوں کو مجبور کر دیا ہے۔ کہ اس مسئلہ کی اہمیت کو تسلیم کریں۔ چنانچہ امریکہ میں قانون طلاق بن گیا ہے۔ ایسا ہی شراب کا مسئلہ ہے جس کے بغیر عشاء ربانی کامل نہیں ہوتی۔ لیکن اسکی خرابیوں کی طرف دیکھو۔ تو پتہ لگتا ہے کہ کس قدر بُری ہوئی ہیں۔ اور یورپ میں اسکی کثرت کا یہ حال ہے کہ جو شخص سادہ پانی پیئے۔ اسپرٹس پی اڑاتے ہیں اور صرف شراب ہی پینے کے قابل سمجھی جاتی ہے۔ اور سادہ پانی تو صرف نہانے دھونے کے کام آتا ہے۔ اس طرح پرا انجیل کی دیگر تعلیمات پر ایک مختصر سا محاکمہ لکھو۔ اور ثابت کر دو کہ ان کے کھانے کے دانت اور ہیں اور دکھانے کے اور۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ان کے دکھانے کے دانت بھی خراب اور ناقص ہیں۔ جب ان دانتوں کا یہ حاصل ہے۔ تو کھانے کے دانت تو سخت ہی گندے اور خراب ہونگے۔ گویا اندرونہ اور بیرونہ کوئی بھی عمدہ نہیں۔ خدا بنایا۔ تو ایسا ناقص۔ اور اعتقاد تجویز کئے تو ایسے بھوہ۔ تعلیم دی تو ایسی کہ اگر ایک ہفتہ اس تعلیم پر عمل کرنے کے لئے جملہ عدالتیں بند کر دی جائیں۔ تو اس کا نتیجہ ظاہر ہو جائے۔ اس عیسائی نے اپنے رسالہ کا نام سچا اسلام رکھ کر اصل اسلام کو گالی دی ہے۔ کیونکہ اس نے حقیقی اسلام کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ اسلئے ہم پر فرض ہے کہ ہم بھی اسکی نصرا نیت کی قلعی کھولڈالیں۔ ابا حتی زندگی کو سچا اسلام ٹھہرا کر جو کچھ گند اس کتاب میں درج کیا ہے۔ وہ اسے نام سے ہی ظاہر ہے۔ پس نصاریٰ کے اسلام کی قلعی کھولنی چاہیئے۔ اسلام کا لفظ صرف قرآن نے ہی اختیار کیا ہے۔ اور کسی مذہب نے یہ نام اختیار نہیں کیا۔

اسکے بعد مولوی محمد علی صاحب نے عرض کیا کہ لاہور سے کسی مار کو ٹیسی نام عیسائی نے بذریعہ خط دریافت کیا ہے کہ اسکے کیا معنی ہیں۔ جو متی کی انجیل میں لکھا ہے کہ جھوٹے مسیح اور نبی آئیں گے، حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ اس خط کا جواب لکھ دیا جائے۔ اور اُس سے دریافت کیا جائے کہ یہ جو انجیل میں لکھا ہے کہ میں چور کی طرح آؤں گا۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ کیا مسیح کا نام منافق بھی ہے۔ کہیں بادلوں میں آنا لکھا ہے۔ اور کہیں چور کی طرح۔ ہم تو حکم ہو کر آئے ہیں پہلے ان شاٹھ ستر اناجیل کا تو فیصلہ ہوئے کہ کونسی انہیں سے سچی ہے۔ اور کونسی جھوٹی۔ ہم تو ایسے وقت میں آئے ہیں کہ اس آیت کو پیش کرتے ہوئے بھی عیسائیوں کو شرم آنی چاہئے۔ کیونکہ اُن کے حساب کے مطابق تو مسیح کی مزمورہ آمد کی تاریخ پر بیس برس گزر چکے ہیں گویا اب تو عیسائیوں کے پاس قانونی میعاد بھی نہیں رہی اسی لئے بعض عیسائی اب اپنے خداوند کی آمد ثانی سے مایوس ہو کر کلیسیا ہی کو اسکی آمد ثانی ٹھہرتے ہیں۔ اور ہجو قسم کی بیجا۔ اور رکیک تاویلات پر اتر آئے ہیں۔ پس اب جبکہ اُن کے اعتقاد اور حساب کے موافق سچے مسیح کو بھی قدم رکھنے کی گنجائش نہ رہی۔ تو پھر فرشتوں کے ساتھ آنا اور جلالی آمد تو بالکل ہی غلط ٹھہری۔ اور چور کی طرح آنا ہی صحیح ثابت ہوا۔ اسلئے عیسائیوں کو چاہیئے کہ ہم پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے گھر میں صحیح اناجیل کا فیصلہ کر لیں کیونکہ ان میں جو جھوٹے مسیح کی آمد لکھی ہے۔ وہ نوالگ رہی۔ اب تو سچے مسیح کی آمد کا وقت بھی گزر گیا۔ تم خود ہی انصاف سے بتاؤ۔ کہ یہ موجودہ زمانہ سچے مسیح کی آمد چاہتا ہے۔ یا جھوٹے مسیح کی۔ تمہارے بزرگوں نے خود مان لیا ہے۔ کہ موجودہ زمانہ سچے مسیح کی آمد چاہتا ہے۔ اسی لئے جو لوگ ان میں سے عقلمند ہیں۔ وہ اب مسیح کی آمد ثانی کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کے متعلق نہ تو مسلمان اور نہ عیسائی ہی اس موجودہ صدی سے آگے گئے ہیں۔ اور دونوں ہی اس موجودہ صدی میں اسکی آمد کے منتظر ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے لکھا ہے کہ تمام کشوف اور الہام جو مسیح کی آمد کے متعلق ہیں وہ چودہویں صدی سے آگے نہیں جاتے۔ لہذا یہاں بھی ایک دفعہ ایک عیسائی نے

یہی سوال ہم پر کیا تھا۔ اور ہمارے جواب پر ایسا الجواب ہو گیا کہ آخر اسے ہماری بات قبول کرنی پڑی۔ جس پر بعض عیسائی اس سے ناراض بھی ہو گئے۔

اسکے بعد مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے اپنی پنجابی نظم وفات مسیح پر سنائی اور نماز عشا باجماعت گزار کر حضرت مسیح موعودؑ اندر تشریف لے گئے۔

۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء صبح کی نماز باجماعت گزارنے کے بعد حضرت اقدس سیر کے لئے تشریف لیگئے۔ راستہ میں طاعون

کے متعلق مختلف باتیں ہوتی ہیں۔ ظہر کے وقت آپ کی خدمتیں عرض کی گئی کہ ندوہ کے متعلق جو اشتہار جناب نے تحریر فرمایا ہے۔ وہ ایک جزو کے قریب ہو گیا ہے۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ:-

اب اسکو رسالہ کی صورت میں شائع کیا جائے۔ کیونکہ کتاب میں ایک برکت ہوتی ہے۔ لوگ اشتہار کو اشتہار سمجھ کر پرواہ نہیں کرتے۔ اسپر بیرونی ورق لگایا جائے۔ برہنہ مرد اچھا معلوم نہیں دیتا۔ بیرونی ورق اسکا لباس ہے اسکا نام تحفۃ الندوہ رکھا جائے۔ آج ہی تحفہ غزنویہ بھی شائع ہو گیا۔ چونکہ کشتی

نوح کی اشاعت کے باعث مطبع کے سبب پتھر کے ہوئے تھے اسلئے عرض کی گئی کہ اگر تحفہ الندوہ کو چھپوایا گیا۔ تو کشتی نوح کی چھپوائی میں دیر ہو جائیگی اپنے فرمایا کہ ٹیکہ کے متعلق جو کہ ہمارا اصل منشا تھا۔ وہ اخبار الحکم کے ذریعہ سے شائع ہو کر گرفت تک پہنچ چکا ہے۔ اگر رسالہ ذرہ دیر سے شائع ہو تو حرج نہیں۔ بعد ازاں نماز مغرب حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں طاعون کا ذکر شروع ہوا جس پر اپنے فرمایا کہ:-

خواہ کچھ ہی ہو۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے۔ کہ بلا مرضی تدابیر سے بچائے۔ تو یہ محال ہے اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے۔ کہ جس قدر کوئی شخص اسکا محب ہوتا ہے۔ اسی قدر اسے بچایا جاتا ہے۔ دیکھو۔ شہروں میں جو ہر روز بکرے ذبح ہوتے ہیں۔ وہ ان کٹیروں اور مکوڑوں سے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ جو ہر روز انسانوں کے پاؤں کے نیچے آ کر کھیل جاتے ہیں۔ اسی طرح بکروں کی نسبت گائے زیادہ مفید ہے۔ اسلئے وہ ان سے کم ذبح ہوتی ہے۔ اونٹ اس سے بھی زیادہ فائدہ مند جانور ہے۔ وہ اس سے بھی کم ذبح کیا جاتا ہے۔ اس سے صاف طور پر نتیجہ

نکلتا ہے کہ جس قدر کوئی جانور قابل قدر ہوگا۔ اسی قدر وہ کم ذبح ہوگا۔ انسان
 چونکہ جملہ حیوانات سے زیادہ قابل قدر ہستی ہے۔ اسلئے اس پر وہ چھری نہیں چلتی۔
 جو جانوروں پر چلائی جاتی ہے۔ پھر انسانوں میں سے بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے
 حضور زیادہ قابل قدر ہوتے ہیں۔ وہ محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ اور یہ وہی لوگ
 ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا سچا تعلق رکھتے۔ اور اپنے اندرون کو
 پاک و صاف رکھتے ہیں اور جملہ نبی نوع انسان کے ساتھ خیر اور ہمدردی سے
 پیش آتے ہیں۔ اور خدا کے سچے فرمانبردار ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف سے
 بھی معلوم ہوتا ہے۔ قُلْ مَا يَعْزُبُ عَنْكُمْ بِكُمْ سَابِقِي لَوْلَا دَعَاءُكُمْ کے مفہوم
 مخالف سے صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ دوسروں کی پرواہ کرتا ہے۔ اور وہ وہی
 لوگ ہوتے ہیں۔ جو سعادت مند ہوتے ہیں۔ وہ تمام غلاطیوں ان کے اندر سے
 نکل جاتی ہیں۔ جو انسان کو خدا سے دور ڈال دینے والی ہوتی ہیں۔ اور جب انسان
 اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے صلح کر لیتا ہے۔ تو وہ اس سے عذاب کو
 ٹال دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو انسان سے کوئی ضد نہیں۔ چنانچہ اسکے متعلق بھی صاف
 طور پر فرمایا۔ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ ابْكُمْ انْ شَكَرْتُمْ یعنی خدا نے تم کو عذاب
 دے کر کیا کرنا ہے۔ اگر تم دیندار ہو جاؤ۔ طاعون بڑا خطرناک عذاب ہے۔ صرف
 بیوی بچے ہی اس میں تباہ نہیں ہوتے۔ بلکہ بعض قریباً تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔
 کہ جنازہ کا بھی کچھ انتظام نہیں ہو سکتا۔ مرنے والا مر جاتا ہے۔ لیکن جو اس کے
 قریبی زندہ رہتے ہیں۔ وہ مفقود العقل اور زندہ در گور ہو جاتے ہیں۔ ایسے بھی
 واقعات ہوئے ہیں۔ کہ گھروالے جنازہ کا انتظام نہ ہو سکے کے باعث میت کو باہر
 پھینک آئے ہیں۔ اور کتوں اور دوسرے جنگلی جانوروں نے اسے کھالیا۔ اور پھر
 وہ بھی طاعون میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گئے۔ اس خوفناک مرض میں مریض کی خدمت
 کا بھی عمدہ انتظام نہیں ہو سکتا۔ تیمار داروں کو خود خوف اور نفرت ہوتی ہے
 اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں جو یہ فرمایا۔ قُلْ يَعْزُبُ عَنْكُمْ لَوْلَا دَعَاءُكُمْ
 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا منشا یہ ہے کہ جیسا تم نے میرے شعائر
 کو ترک کر دیا ہے۔ میں بھی تمہاری کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ تمہیں تو تکفین بھی ایک شعار ہے

گو آجکل یہ ایک رسم سی ہو گئی ہے۔ اور اس سے بڑھکر نہیں۔ ملاں اگر
تجیز و تکفین کے لئے آتا ہے۔ تو اسکی غرض چادر لینا ہوتی ہے۔ جنازہ پڑانے کے
لئے کھڑا ہوتا ہے۔ تو اس کا ایک لفظ بھی اگے نہیں جاتا۔ بلکہ اسے فکر لگا رہتا ہے۔
کہ کچھ دانے نمک و پیسے ملیں گے۔ اور پھر دیکھتا رہتا ہے۔ کہ مردہ کے کپڑوں سے بھی
کوئی حصہ ملیگا۔ بلکہ اس کے مال تک میں اپنا حق جتنا رہتا ہے۔ اور پچھانیں چھوڑتا
حضرت مسیح موعودؑ یہاں تک بیان فرما چکے تھے۔ کہ مولوی غلام علی صاحب رہتا
کی طرف سے ایک تار آگیا۔ جس میں انہوں نے اطلاع دی تھی۔ کہ وہ بیمار ہو گئے ہیں۔
اسلئے سٹیشن پر اُن کے لئے ڈولی نہ بھیجی جائے۔ کچھ عرصہ تک حضرت اقدس مولوی
صاحب کی بیماری کا حال بیان فرماتے رہے۔ اور پھر فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل
سے ہماری جماعت کی تعداد اب ایک لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ اور یہ سب آپس میں
بھائی بھائی ہیں۔ اسلئے اتنے بڑے کنبے میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا۔ کہ کوئی نہ
کوئی دردناک آواز نہ آتی ہو جو بھائی گزر چکے ہیں۔ وہ بڑے ہی مخلص تھے جیسے
ڈاکٹر بوڑے خان صاحب۔ سید خصیلت علی شاہ صاحب۔ مرزا ایوب بیگ
صاحب۔ منشی جلال الدین صاحب وغیرہ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم کرے۔
پھر فرمایا:- طاعون بھی ایک طرح اچھی ہی ہے۔ کیونکہ انسان کو غفلت
سے بیدار کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر یہ سر پر نہ ہو۔ تو اس زمانہ میں شاید موت کا
خوف ہی نہ رہے۔ بڑے بڑے موزی طبع مفسد لوگوں کو بھی دیکھا ہے۔ کہ جس جگہ
ہیضہ زور سے پھیل جاتا ہے۔ اُن کا خون بھی اسکے ڈر سے خشک ہو جاتا ہے۔ اور
اپنی اپنی جگہ ڈر جاتے ہیں۔ بعض دانشمند کہتے ہیں۔ کہ نفس چونکہ بدی سے باز
نہیں آتا۔ اسلئے ضروری ہے۔ کہ اسکے لئے نیکی کرنے کا کوئی نہ کوئی محرک ہونا چاہیے
اس دنیا کا انجام کار خاتمہ ہونا ہے۔ اور دوسرا عالم یقینی ہے۔ جو ہمیشگی کی زندگی
کا جہان ہے۔ خواہ بھلی ہو یا بُری۔ اگر اس جہاں میں جا کر آنکھ کھلی اور بُرے آثار
نظر آئے۔ تو پھر سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا رحم ہے۔ کہ اس
مردود ملک پر طاعون کا تازیانہ بھیج دیا۔ جس سے اکثر لوگوں کی غفلت دور ہو جاتی
ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ کہ جب انسانوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔

تو اس قسم کا عذاب بھیج دیتا ہے انسان معمولی موت سے نہیں ڈرتا۔ لیکن اس وقت جیسا کہ ایک بوڑھا اپنے آپ کو قبر کے قریب سمجھتا ہے۔ عین اسی طرح ایک نوجوان بھی اپنی موت قریب سمجھتا ہے۔ غفلت اور شہوات کا نشہ ایسی چیز ہے۔ کہ جب معمولی موت سے انسانوں نے سبق حاصل نہ کیا۔ تو طاعون کو ان پر بھیج دیا۔ جو عذاب کی شکل میں ہزاروں انسانوں کو ہلاک کر رہی ہے۔ اسکے بعد مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے اپنا عمری تصیدہ بعنوان الاستفتاء من ندوة العلماء سنایا۔ اور ان کے بعد مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے اپنی نظم سنائی اور بعد نماز عشاء حضرت مسیح موعودؑ تشریف لیگئے۔

۵۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء صبح کے سیر میں حضرت مسیح موعودؑ نے کتاب نزول المسیح و کشتی نوح کے متعلق فرمایا کہ:-

موعودؑ الذکر علیحدہ بھی تقسیم ہو۔ اور اول الذکر کے ساتھ بھی۔ کیونکہ تقسیم کے وقت ہر ایک شخص اپنی اپنی سمت الگ اختیار کرتا ہے۔ دنیا میں دو قسم کی قوتیں موجود ہیں۔ ایک تو قوت جاذبہ ہے۔ اور دوسری مذبذبہ اور ان دونوں کا اثر بھی برابر جاری ہے۔ اسلئے کتابوں کی اس قسم کی تقسیم سے یہ فائدہ ہوگا۔ کہ جو روحیں صرف تعلیم کی تلاشی ہیں ان کی سیری اس تعلیم کو پڑھ کر ہو جائیگی۔ اور جو روحیں دعوئے ثبوت کی تلاشی ہیں۔ انکی تسلی نزول المسیح کے پڑھنے سے ہو جائیگی۔ نیز ایسے لوگ بھی اس سے فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ جو صرف ضرورت امام کو معاموم کرنا چاہتے ہوں۔ پس یہ دو قسم کی اشاعت اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ ہم نے ان میں خدا کے فضل سے نہایت عمدہ ثبوت دئے ہیں۔ جن سے مشہودات اور محسوسات ہر دو کے رو سے ایمان کی تقویت ہوتی ہے۔ یہ سنت اللہ ہے۔ کہ جو لوگ ایمانی فراست سے رافرحصہ رکھتے ہیں۔ وہ ماموزان الہی کو فوراً ہی معلوم کر لیتے ہیں۔ اور ایسے لوگ ہی صاحب فراست کہلاتے ہیں۔ جو حق کو پہلے ہی قبول کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی مومنوں کے حق میں رضی اللہ عنہم ورضو عنہ۔ فرماتا اور انکی تعریف کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی خدا داد فراست

سے حضرت نبی کریمؐ کو پہلے ہی پہچان کر قبول کر لیا۔ اسلئے وہ المؤمن کہلائے۔ لیکن جب دعوئے کے دلائل دے کر اسکی سچائی واضح کر دی جائے۔ تو اسوقت دین میں داخل ہونے والے اناس کہلاتے ہیں۔ ایسی حالت میں قبول کرنے والوں کے حق میں فرماتا ہے۔ لَا تَقْوُوا امْتَابِلْ قُولُوا اسلمنا یعنی یہ مت کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یہ کہو۔ کہ ہم نے اطاعت کی۔ ایمان اسوقت ہوتا ہے۔ جب ابتلا کے مواقع پیش آئیں اور جن لوگوں پر ایمان لانا چھٹنے کے بعد کوئی ابتلا کا موقع پیش نہیں آیا۔ وہ لوگ اسلئے داخل ہیں کیونکہ انہوں نے تکلیف کا نشانہ بنکر نہیں دیکھا بلکہ اقبال اور نصرت کے زمانہ میں دین قبول کیا۔ اسی وجہ سے انہیں فخر کا خطاب نہ مل سکا۔ بلکہ ان کا نام اناس رکھا گیا۔ کیونکہ وہ کام چل پڑنے کے وقت دین میں داخل ہوئے۔ یعنی جب رسول اللہؐ کی صداقت کی روشنی چمک اٹھی۔ اور مخالف دب گئے تو وہ داخل ہو گئے۔

نبی بہت جلدی ذمہ واریاں لے کر آتا ہے۔ اسلئے جب وہ اپنا کام کر چکتا ہے۔ اور تبلیغ کا حق ادا کر کے اس دنیا سے رخصت ہونے والا ہوتا ہے۔ تو وہ وقت گویا۔ اس کا اللہ تعالیٰ کو چارج دینے کا ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ

جس پر اپنا فضل کرتا ہے۔ اسپر استغفار کا لفظ بولتا ہے۔ یہی سنت کے مطابق حضرت نبی کریمؐ کو بھی ارشاد الہی اس طرح ہوتا ہے۔ نَسِجَ بِحَمْدِكَ وَاسْتَغْفِرُكَ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَاحِدُ۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک قسم کے نقص سے پاک ہے۔ اسکی تسبیح کر اور جو کچھ ہو بشریت کی رو سے اس ذمہ داری کے کام میں نقص ہوا ہے۔ اس سے استغفار چاہو۔ جس شخص کے ذمہ ہزاروں قسم کے کام ہوں۔ سکے لئے ہو ضروری پڑا ہوا ہے۔ اور آنحضرتؐ تو نہایت ہی عظیم الشان مقاصد لیکر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ اور یہ ایک چارج تھا۔ جو اپنے اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ اور جس میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی پوری کامیابی کا اشارہ کر دیا۔ یہ سورۃ گویا آنحضرتؐ کی وفات کا آہی پروا نہ تھا۔ یہ بھی یاد رکھو۔ کہ انبیاء کی زندگی ہی

اس وقت تک کہلاتی ہے۔ جب تک کہ مصائب کا زمانہ رہے۔ اسکے بعد جب فتح و نصرت کا زمانہ آتا ہے۔ تو وہ وقت گویا انہی وفات کا پروانہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت اُن کا وہ کام جسکے لئے وہ مبعوث ہو کر آئے ہوتے ہیں۔ ختم ہو چکتا ہے۔ اصل میں تو یہ کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوتے ہیں۔ لوگوں نے تو مفت کا ثواب لینا ہوتا ہے۔ جو شخص ایسے کام میں بھی خود غرضی۔ ریاکاری اور غفلت کی آمیزش کرے وہ اصل ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔

ایک عرصہ ہوا۔ میں نے خواب دیکھا تھا۔ کہ گویا میرا خواب ایک دیوار بنا ہے ہیں۔ جو فصیل شہر ہے۔ میں نے اسکو جو دیکھا۔ تو خوف آیا۔ کیونکہ وہ قد آدم بنی ہوئی تھی۔ خوف یہ ہوا۔ کہ اسپر آدمی چڑھ سکتا ہے۔ مگر دوسری طرف دیکھا تو معلوم ہوا۔ کہ قادیان بہت اونچی کی گئی ہے۔ اسلئے یہ دیوار دوسری طرف سے بہت اونچی ہے۔ اور یہ دیوار گویا ریختہ کی بنی ہوئی ہے۔ فرش کی زمین بھی پختہ کی گئی ہے۔ ذرا اور غور سے جو دیکھا۔ تو وہ دیوار ہمارے گھروں کے ارد گرد ہے۔ اور ارادہ ہے۔ کہ قادیان کے گرد بھی بنائی جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ رحم کر کے ان بلاؤں میں تخفیف کرے۔ قادیان میں آج دو تین اموات ہو گئیں۔ اسکے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ تب محرقہ سے بھی موتیں ہو جایا کرتی ہیں۔ طاعون کے تو حملے ہی الگ ہیں۔ کوئی جنازہ اٹھانے والا بھی نہیں ملتا۔ بعض وقت ایک گھر کا جب طاعون پڑ جاتی ہے۔ تو پھر سارے گھر کا صفایا کر دیتی ہے۔ اور جانوروں تک کو ہو جاتی ہے۔ انسان کا ایمان پرکھ جانے کا اب اچھا موقع ہے۔ طاعون تو اب مان نہان میں تیرا مہمان ہو کر آئی ہے۔ اگر طاعون نہ ہوتی۔ تو سچے مسلمان کا پتہ لگنا ہی مشکل ہوتا۔ (الحکم جلد ۶ ص ۳۷) جو لوگ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ وہ اس وقت طاعون کو دیکھ کر جلد تبدیلی کر لیتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے۔ کہ گو معمولی اموات جو ہر روز ہوتی رہتی ہیں۔ انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اگر وہ ان سے عبرت حاصل کرے۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے۔ کہ لوگ اُن سے کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اسلئے وہ انسان کو بیدار کرنے کے لئے ناکافی ہیں۔ اور وہ دنیا کے تعلقات پر موت وارد کرنے کے لئے اس قدر مفید اور موثر

ثابت نہیں ہوتی ہیں جس قدر کہ اب طاعون ہو رہی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ معمولی اموات عام طور پر وارد ہونے کے باعث اس قدر خوفناک نہیں رہی ہیں کہ لوگ ان سے سبق حاصل کریں۔ لیکن طاعون کے خوفناک حملوں سے ایک عالمگیر خوف اور دہشت لوگوں پر چھا گئی ہے۔ اسلئے یہ وقت ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا ملجا و ماوے بنایا جائے۔ غور کر کے دیکھ لو کہ اُس وقت کس قدر خوف انسان پر طاری ہو گا۔ جب وہ دیکھیگا کہ ایک گھر میں تین چار جنازے پڑے ہیں۔ اور کوئی انہیں اٹھانے والا بھی نہیں۔

غرض طاعون اب انسان کا اصلی جوہر کھول کر دکھا دیتی ہے۔ کیونکہ مصائب اور مشکلات بھی انسان کا ایمان پر کھٹے کا بڑا آلہ ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا: **أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يَتْرُكُوا أَنْ يُهْلَكُوا أَمْ نَأْمَنُ بِهِمْ لَا يَفْقَهُونَ** ہم دیکھتے ہیں کہ اب ہماری جماعت کو زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں۔ کیونکہ طاعونی اموات سب سے بڑھ کر منذرات میں سے ہیں۔ جو تبدیلی انسان اس نظارہ سے کر سکتا ہے۔ وہ دوسری منذرات سے نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ جس قسم کی تبدیلی چاہتا ہے۔ وہ اسی طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ اور یہ وقت ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ اور اُسی سے دعائیں مانگیں کہ انہیں ایک پاک تبدیلی عطا ہو جن لوگوں کی پاک تبدیلی اللہ تعالیٰ دعاؤں کے ذریعہ سے چاہتا ہے۔ انکی تبدیلی اسید طرح پر ہوتی ہے کہ انپر بلائیں اور خوف آتے ہیں جیسا کہ فرمایا **وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ شَيْئًا مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ** اگر انسان اپنے افعال سے ہر قسم کے گناہ دور کرے۔ تو شیطان چاہتا ہے کہ وہ آنکھ۔ کان۔ ناک وغیرہ سے ہی گناہ کرے۔ لیکن جب اسپر بھی قادر نہیں ہو سکتا۔ اور انسان انکے گناہوں سے بھی بچا رہتا ہے۔ تو پھر شیطان کی آخری کوشش یہ ہوتی ہے کہ کم از کم اسکے دل میں تو گناہ کا خیال رہے۔ گویا شیطان آخری حد تک انسان کو بدی میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ مگر جس انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے۔ اسپر شیطان کی حکومت کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ اسلئے وہ ایسے شخص سے آخر کار مایوس ہو جاتا ہے اور اس سے بھاگ جاتا ہے۔

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ وہ نفسانی جذبات کی قیود اور ناجائز خیالات سے الگ نہیں ہونا چاہتے۔ اور ان پر کوئی بات نیکی کی اثر نہیں کرتی۔ آخر اللہ تعالیٰ ان پر ابتلا بھیج کر ان پر رجم کرتا اور گندگی وغیرہ سے نکال لیتا ہے۔ اور وہ آہستہ آہستہ گناہوں سے متنفر ہو جاتے ہیں۔

اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ سے عام طور پر مختلف مذاہب کا باہمی مقابلہ پیش آگیا۔ مگر اسمیں ہی مذہب مظفر و منصور ہو گا۔ جسکے پیرو متقی ہونگے اور اپنی زبانوں کو سنبھال کر رکھینگے۔ خدا تعالیٰ کی حقوق پر ظلم نہ کریں گے۔ بلکہ انکے حقوق کی نگہداشت کریں گے۔ سفر اور حضر میں نبی نوع انسان کی ہمدردی کریں گے ایسی قوم کی اللہ تعالیٰ رعایت کرتا ہے۔ اور جب اسمیں تقوٰ نے اور طہارت دیکھتا ہے تو وہ اس کا ولی اور مددگار ہو جاتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کسی انسان کے ساتھ کوئی جسمانی رشتہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ منصف ہے۔ اسلئے وہ انصاف کو دوست رکھتا ہے وہ عادل ہے۔ اسلئے عدل کو پسند کرتا ہے۔ وہ ظاہری رشتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ جو شخص تقوٰ نے کی رعایت کرتا ہے اسے وہ اپنے فضل سے پچا لیتا ہے۔ اور اسی لئے اسنے فرمایا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ پس اس مقابلہ مذاہب میں متقی ہی کامیاب ہونگے۔

عرب کی تجارتی اشیاء کا حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں تذکرہ ہوتا رہا۔ تو طائف کے ذکر پر آپ نے فرمایا کہ:-

وہ گویا اس ریگستان میں بہشت کا نمونہ ہے۔ اسی ذکر میں بھی کہا گیا۔ کہ عرب کے بازاروں میں کوئی چیز کبھی ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ جس وقت چاہو۔ ہر ایک چیز میسر آ جاتی ہے۔

میاں اب بخش صاحب امرتسری نے حضرت مسیح موعودؑ کے سامنے عرض کی۔ کہ براتوں میں باجا بجانے کے متعلق حضرت اقدسؑ کا کیا حکم ہو؟ آپ نے فرمایا کہ ہم فقہاء نے اعلان بالدف کو نکاح کے وقت جائز رکھا ہے۔ اور یہ اسلئے کہ بعد ازاں جو مقدمات ہوتے ہیں۔ تو اس اعلان سے ایک قسم کی شہادت نکاح پیدا ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں ہمیں مقصود بالذات کا خیال رکھنا چاہئے۔

کہ آیا باجا جانے کے ذریعہ سے محض اعلان نکاح مقصود ہے۔ یا اپنی شیخی اور تعلیٰ کا اظہار مقصود ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض چپ چاپ شادیوں میں نیچے بہت سے نقصان پیدا ہوتے ہیں یعنی جب میاں بیوی میں باہمی جھگڑا ہو کر مقدمات تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ تو اعلان نکاح کے سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔ غرض ان خرابیوں کے روکنے کے لئے اور شہادت پیدا ہونے کے لئے اعلان بالدف جائز ہے۔ اور اس مقصد کے لئے باجا بجانا منع نہیں ہے۔ بلکہ نسبتوں کی تقریب پر جوش و خروش وغیرہ بانٹتی جاتی ہے۔ دراصل وہ بھی اسی غرض کے لئے ہوتی ہے تاکہ دوسرے لوگوں کو خبر ہو جائے۔ اور بعد ازاں کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔ لیکن موجودہ زمانہ میں اصل مطلب مفقود ہو کر اسکی جگہ صرف رسومات نے لے لی ہے۔ اور اس میں دوسری بہت سی باتیں پیدا کر لی گئی ہیں۔ پس اگر ان کو رسوم قرار نہ دیا جائے بلکہ یہ کام محض رشتہ ناطہ کو جائز کرنے کیلئے کئے جائیں۔ تو یہ ضروری امور ہیں۔

خوب یاد رکھو کہ جن باتوں سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے۔ شرع اسلام اس پر سرگرد نہیں کرتی۔ کیونکہ خود اسکی غرض بھی مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے کی ہے۔ ایسے موقعوں پر آتش بازی چلانا اور تماشہ وغیرہ کرنا بالکل منع ہیں۔ کیونکہ ان سے مخلوق کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچتا ہے۔ اور باجا بجانا بھی صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ اس سے مقصود اعلان نکاح ہو۔ تاکہ نسب محفوظ رہے کیونکہ اگر نسب محفوظ نہ رہے۔ تو زنا کا اندیشہ ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے سخت ناراضگی ظاہر کی ہے۔ اسلئے نکاح کا اعلان ضروری ہے۔ البتہ ریاکاری فسق۔ اور فجور کے لئے یا تقویٰ و طہارت کے خلاف کوئی اور منشا ہو۔ تو منع ہے۔

شریعت اسلامی کا مدار زمی پر ہے۔ سختی پر نہیں کلا کیلئے اللہ نفساً الا وسعہما۔ بلکہ کے متعلق حرمت کا کوئی نشان بجز اسکے کہ وہ صلاح و تقویٰ کے خلاف اور ریاکاری اور فسق و فجور کیلئے ہو۔ اور کوئی نہیں پایا جاتا۔ اور پھر اعلان بالدف کو فقہاء نے جائز رکھا ہے۔ اور اصل شے کی حلت ہے۔ اسلئے شادی میں اعلان کے لئے جائز ہے۔

پھر حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کی گئی کہ شادی دالے گھروں میں

جو جوان عورتیں مل کر گاتی ہیں اسکے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ :-
 اصل بات یہ ہے کہ یہ بھی واجہ کی طرح پر ہے۔ اگر گندے اور ناپاک گیت
 نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے حضرت نبی کریم ص جب مدینہ میں تشریف لے گئے
 تو وہاں کی لڑکیوں نے مل کر آپ کی تعریف میں گیت گائے تھے مسجد میں ایک
 صحابی نے خوش الحانی سے اشعار پڑھے تو حضرت عمر رض نے اسے منع نہ فرمایا
 تھا۔ بلکہ آپ نے ایک بار اسکے اشعار سننے تو اسکے لئے رحمت امد فرمایا۔ اور جسے
 آپ یہ الفاظ فرمایا کرتے تھے۔ وہ شہید ہو جایا کرتا تھا۔ غرض اسی طرح پر اگر فسق و فجور
 اور فحش گیت نہ ہوں۔ تو ان کا گانا منع نہیں ہے۔ لیکن مردوں کو عورتوں کی ایسی
 مجالس میں ہرگز نہ بیٹھنا چاہیے۔ یہ بات خوب یاد رکھو۔ کہ جہاں ذرہ بھی مظہ فسق و
 فجور ہو۔ وہ منع ہے۔ - ۵

بزرگ و ورع کو شش و صدق و صفا : لیکن میفرماتے بر مصطفیٰ
 یہ ایسی باتیں ہیں کہ انسان ان میں اپنے ضمیر سے فتوے لے سکتا ہے۔ جو امر
 تقویٰ اور خدا کی رضا کے خلاف ہو۔ مخلوق خدا کو اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں
 ہے۔ اسلئے وہ منع ہے اور پھر جو شخص ہراف کرتا ہے۔ وہ تو سخت گناہ کرتا
 ہے۔ اگر ریاکاری بھی کرتا ہے۔ تو گناہ کرتا ہے غرض کوئی ایسا مرجسمیں ہراف
 ریا۔ فسق۔ اور ایذائے خلق کا شائبہ بھی ہو۔ وہ منع ہے۔ لیکن اسکے سوا منع
 اور نہ گناہ ہے۔ کیونکہ اھل شیعہ کی حاکمیت ہے۔
 ہر شخص کا کام نہیں۔ کہ دین میں اجتہاد کرے۔ کیونکہ دینی معاملہ میں بات
 کرنے کے لئے پہلے خود متقی ہونا ضروری ہے۔ تاکہ نہ
 سخن کر دل بروں آید نہ سینہ لاجرم بردل۔

کا مصداق ہو۔ منطقی بات بد بودار ہوتی ہے۔ کیونکہ اسمیں نزے داؤ پہنچ ہی
 ہوتے ہیں۔ اسلئے مومن کو چاہئے۔ کہ منطقیانہ طریق کو چھوڑ کر عارفانہ تقاضیہ
 کا پیلو اختیار کرے۔

بعد عصر صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی برات دہلی سے
 واپس آئی۔ غار مغرب سے پہلے حضرت مسیح موعودؑ باہر تشریف لاکر ان احباب

سے ملے۔ جو رڑکی سے رات کے ہمراہ آئے تھے مفتی محمد صادق صاحب نے عرض کی کہ انہوں نے رڑکی کے پادریوں سے ملکر پطرس کے متعلق سوال کو حل کیا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ واقعہ صلیب کے وقت پطرس کی عمر ۳۰ اور نہ سال کے درمیان تھی۔ اور پطرس کے بعض کاغذات سے جنہیں اس نے لکھا ہے کہ یہ کاغذ مسیح کی وفات سے ۳ سال بعد لکھے گئے ہیں۔ اور اپنی عمر اس وقت نوے (۹۰) سال تکھی ہے گویا مسیح کی وفات کے وقت پطرس کی عمر ۸۷ سال کی ہوئی۔ اور واقعہ صلیب کے وقت پطرس کی عمر تیس اور چالیس سال کے درمیان بتلائی جاتی ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ واقعہ صلیب کے بعد حضرت مسیح کم از کم ۷۷ تک زندہ رہے۔ اور پطرس ان کے ساتھ رہا۔ اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ مسیح آسمان پر گیا۔ اور نہ اب تک زندہ ہے۔ بعد نماز مغرب حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حضرت مولوی نور الدین صاحب نے مبارکباد عرض کی اور کہا کہ انہوں نے ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کو بہت ہی مختص پایا ہے۔ کوئی امر انہوں نے اپنی طرف سے نہیں کیا۔ بلکہ یہی کہا کہ جو کچھ حضرت اقدسؑ نے حکم دیا ہے۔ وہ کرو۔ ان کے بھائیوں میں سے بھی کوئی اس شادی کے موقع پر شریک نہیں ہوا حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اخلاص دیا ہے۔ اور یہ تقریب پیدا کر دی کہ مخالف بھائیوں سے قطع تعلق ہو جائے۔ پھر مولوی نور الدین صاحب نے عرض کی کہ باوجودیکہ تکلف کی کوئی بات نہ تھی لیکن وہ بہت خاطر و مدارات سے پیش آئے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ :-

اُن میں اہلیت اور زیر کی بہت ہے۔ اسپر مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ جب اُن کا خطبہ جمعہ آیت فلا در بک پر الحکم میں شائع ہوا۔ تو انہوں نے بُرے اخلاص سے خط لکھا کہ اس خطبہ نے ان کا ایمان تازہ کر دیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ :- ان میں نور فراست ہے۔ وہ اپنے باپ سے بھی اس معاملہ میں گفتگو کیا کرتے تھے۔“

مجلس میں حافظ محمد یوسف صاحب کا ذکر آگیا کہ اس نے اشتہار دیا ہے۔ اور آیت قطع الوتین کا حوالہ دیا ہے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ :-

اسنے آنحضرتؐ کی سخت توہین کی ہے۔ جبکہ وہ تسلیم کرتا ہے کہ ایک مغتری علیہ السلام کو بھی ۲۳ برس کی مہلت مل جاتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی صداقت کا یہ علمی زمانہ مقرر کیا ہے۔ ایک انسان کو اگر یہ لکھ دیا جائے کہ اسکی شکل جانور جیسی ہے۔ تو یہ اسکی توہین ہے۔ اسی طرح آنحضرتؐ کی مدت نبوت کو کذاب کے ساتھ ملادینا آپؐ کی سخت بے ادبی ہے۔ آپؐ کی پاک و مطہر زندگی کو ایک عوامی کبھی ناپاک انسان کی زندگی سے مشابہت نہیں دے سکتا۔ آپ اس وقت تشریف لائے جبکہ دنیا فساد اور فسق و فجور سے بھری ہوئی تھی۔ اور اس وقت تشریف لے گئے۔ جبکہ آپ پورے طور پر فسق و فجور کو دنیا سے نابود کر چکے۔ اور پورے طور پر اپنے کام میں کامیاب ہو گئے۔ چونکہ حافظ محمد یوسف صاحب کے اس اشتہار کا جواب لکھنا ضروری تھا۔ اسلئے میں نے ایک مختصر سا رسالہ تیار کر دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اسپرٹائیل کا صفحہ بھی لگا دیا جائے۔ ہاشیل میں بھی چھوٹے چھوٹے صحیفے موجود ہیں۔ اس رسالہ میں چونکہ ندوۃ العلماء کو تبلیغ ہے۔ اسلئے ہم نے اس کا نام تحفۃ الندوہ رکھ دیا ہے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے آخر میں ایک مبارک بشارت لکھ دی جائے کہ عیسائی محققین کی تحریرات سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ واقعہ صلیب کے بعد بھی ایک عرصہ تک زندہ رہے۔ جیسا کہ پطرس کی معلوم شدہ تحریر سے ثابت ہے۔ اس تحقیقات کی دریافت پر ہم ایک محقق کو خوش ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ مسیح کے خاص حواری پطرس کی تحریر پر مبنی ہے۔

خاتم النبیین کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت تصدیق نہیں ہو سکتی۔ جب مہر لگ جاتی ہے۔ تو وہ کاغذ سند ہو جاتا ہے۔ اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرتؐ کی مہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو۔ وہ صحیح نہیں ہے۔ اپنے تائیدی نشانات کے بارے میں فرمایا کہ:-

دنیا میں ہر وقت ایک عام تحریک ہو رہی ہے۔ اور آئے دن ایک نہ ایک بات ہماری تصدیق اور تائید میں نکلتی رہتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کام ہیں۔ اب

دیکھ لو کہ ہماری تائید میں پطرس کے ہاتھ سے لکھے ہوئے کاغذات دستیاب ہو گئے۔ جن کے مطالعہ سے ہماری جماعت کو خاص خوشی حاصل ہوگی اور ان کا ایمان ترقی کریگا۔

اپنی تعلیم کے بارے میں فرمایا کہ:-

کشتی نوح میں مینے اپنی تعلیم لکھ دی ہے۔ جس سے ہر شخص کو آگاہ ہونا چاہیے۔ ہر ایک شہر کی جماعت جلسے کر کے سب لوگوں کو اسے سنا دے۔ ایک مستعد اور فارغ شخص کو ایک جلد بھیج دی جائے۔ جو مستعد لوگوں کو غلامی پر سنا دے۔ اگر یونہی ہر ایک کو تقسیم کرنے لگیں۔ تو پھر پچاس ہزار کاپی بھی غیر مکتفی ہے۔ اس تجویز سے ایک تو اسکی اشاعت بھی عام ہو جائیگی۔ دوم ہم جماعت کی وحدت چاہتے ہیں۔ وہ بھی جلسے کر کے سنانے سے حاصل ہو جائیگی۔

پھر فرمایا کہ:- اللہ تعالیٰ نے صدر اسلام کی طرح اب بھی دو گروہ بنا دئے ہیں۔ ایک تو غربا اور ضعفاء کا گروہ ہے۔ اور دوسرا افسانیت رکھنے والا گروہ۔
را الحکم جلد ۶ ص ۳۷۷

۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء
آج صبح کے وقت ایک ہندو فقیر حضرت مسیح موعود کی زیارت کے لئے کوٹ کپورہ سے آیا۔ اور مختلف باتیں کیں۔ نماز شام سے فراغت حاصل کر چکنے کے بعد میاں غلام رسول صاحب حجام امرتسری نے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں اپنی مشکلات اور مخالفین کی تکلیف دہی کا ذکر کیا۔ نیز بیان کیا۔ کہ غلام محمد نامی لڑکا جسے قادیان سے جا کر ایک گندہ اشتہار شائع کیا تھا۔ وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہے۔ اس وقت وہ ہندو فقیر جو کوٹ کپورہ سے صبح آیا تھا۔ آپ کو ملا اور سلام کیا۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ:-

یہ ہمارا بہانہ ہو اسکے کھانے کا انتظام بہت جلد کر دینا چاہئے چنانچہ ایک شخص کو حکم دیا گیا جو اس فقیر کو ایک ہندو کے گھر کھانا کھلانے کے لئے گیا۔ بعد ازاں پھر میاں غلام رسول صاحب حجام امرتسری نے اپنا حال شروع کر دیا۔ کہ امرتسر کے مخالفین نے باہمی اتفاق سے یہ نچت ویز کر لی ہے۔ کہ جن گھروں میں وہ کھانا پکانے جایا

جایا کرتا ہے۔ وہ لوگ اس سے کھانا نہ پکوائیں۔ یہ سنکر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ۔ صبر کرنا چاہیے۔ تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جتنے گھر رکھے ہوئے ہیں۔ ان سے دو چند و چندہم کو بلجائیں۔ طاعون شروع ہو گئی ہے۔ اور ہمارے مخالف ابھی ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اسلئے تم ان باتوں کا ذکر ہی نہ کرو کہ گھر چھوٹ گئے ہیں۔ ورنہ ثواب جاتا رہیگا۔
طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ:-

تین قسم کی طاعون ہوتی ہے۔ اول میں صرف تپ ہوتا اور گلٹی نکلتی ہے۔ دوم میں سخت تپ ہی ہوتا ہے۔ اور تیسری قسم میں نہ تو تپ ہوتا ہے اور نہ کچھ اور بلکہ یونہی خاتمہ ہو جاتا ہے۔

نواب محمد علی خان صاحب کے لڑکے کے گلے میں مچھلی کا کانٹا پھنس گیا تھا۔ جسکے علاج کے لئے مولوی نور الدین صاحب گئے ہوئے تھے جب وہ نواب صاحب کے ساتھ واپس آئے اور اس بات کا ذکر کیا۔ کہ مچھلی کا کانٹا پھنس گیا تھا جواب لکل گیا ہے۔ تو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

مچھلی کی ہڈی پھنسنے کا علاج تو نہایت سہل ہے۔ کہ وہی اور سرکہ ملا کر پلا دیا جائے۔ تو فوراً نکل جاتی ہے۔ پھر فرمایا کہ:- خدا کے فضل انسان کو قدم قدم پر مطلوب ہے۔ اگر اس کا فضل شامل حال نہ ہو۔ تو انسان ایک لمحہ بھی جی نہیں سکتا۔

مولوی عبداللہ صاحب کشمیری نے مباحثہ دہر کوٹ کا مختصر سا تذکرہ حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ اور بیان کیا۔ کہ بٹالہ کا مہرنی بخش بھی وہاں آیا تھا۔ اور اسنے بھی مختصر سی تقریر کی تھی۔ اور بار بار اعتراض کرتا تھا۔ کہ مرزا صاحب کا نام قرآن سے نکال کر دکھاؤ۔ اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

وہ احمق نہیں جانتا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ ایسے صاف طور پر نام لے لیتا۔ تو اختلاف ہی کیوں پڑتا۔ یہودی لوگ اسی طرح سے تو ہلاک ہو گئے۔ بات اصل میں یہ ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ اسی طرح سے پردہ برانداز کلام کرے۔ تو پھر

ایمان نہیں رہتا۔ مومن کو چاہئے۔ کہ مومنانہ فراست سے دیکھے۔ کہ سچ بات کیا ہے۔ ہماری تائید میں تو اس قدر دلائل ہیں کہ ایک صاحب فراست ان سے سیر ہو کر صحیح سمجھ لیتا ہے۔
حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

یاد رکھو۔ کہ مخالف سے گفتگو کرتے وقت ضروری ہے۔ کہ پہلے مذہب متعین کر لو۔ اسپر مولوی نور الدین صاحب نے عرض کی۔ کہ گورداسپور میں ایک شخص ان کے پاس آیا۔ اور کچھ سوالات کئے۔ انہوں نے اسکو کہا۔ کہ آیا اسنے دنیا میں کسی شخص کو راستباز تسلیم کیا ہے یا نہیں۔ اور پھر جن دلائل سے اسنے اسے راستباز تسلیم کیا ہے۔ انہیں دلائل سے حضرت مسیح موعودؑ کی سچائی کو پرکھ لے۔ اسپر وہ بالکل خاموش ہو گیا۔
حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

یہ جو لوگ بار بار دریافت کرتے ہیں۔ کہ قرآن میں بہار نام کہاں ہے۔ انکو معلوم نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام احمد رکھا ہے۔ بورکت یا احمد وغیرہ بہت سے الہامات ہیں۔ میرا نام محمد رکھا۔ مُحَمَّدٌ دَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اَشْدُّ اَعْلٰى الْكُفٰرِ رَحْمَةً بَيْنَهُمْ ط اور احمد نام پر ہی ہم بیعت لیتے ہیں۔ کیا یہ نام قرآن شریف میں نہیں ہیں؟ پھر جس قدر میرے نام آدم۔ عیسیٰ۔ داؤد۔ سلیمان وغیرہ رکھے ہیں۔ وہ سب قرآن میں موجود ہیں۔ ماسوا اسکے یہ سلسلہ اپنے ساتھ ایک علمی ثبوت رکھتا ہے۔ اگر ان تمام علمی امور کو یکجائی طور پر دیکھا جائے۔ تو آفتاب کی طرح اس سلسلہ کی سچائی نظر آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے نام میرے رکھے ہیں۔ اور آخر حبیری اللہ فی جلال الاولیاء بھی فرما دیا ہے۔ ہم جس طرح پر حضرت نبی کریم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں۔ کہ خدا نے میرا نام نبی رکھا۔ یہ بالکل سچی بات ہے۔ ہم رسول اللہ کو چشمہ افادت مانتے ہیں ایک چراغ اگر ایسا ہو جس سے کوئی دوسرا چراغ کہ آپ سے دوسرے روشنی ہے۔ مگر رسول اللہ کو ہم ایسا نور مانتے ہیں کہ آپ سے دوسرے روشنی پاتے ہیں۔ یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ هُوَ بِالْكَلِّ دَرَسَتْ هِيَ - خدا تعالیٰ نے آپ کی جسمانی ابوت کی نفی کی - لیکن آپ کی روحانی ابوت کا استثناء کیا ہے اگر یہ مانا جائے - جیسا کہ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ آپ کا نہ کوئی جسمانی بیٹا ہے اور نہ روحانی - تو پھر اس طرح پر معاذ اللہ یہ لوگ آپ کو ابتر ٹھہراتے ہیں - مگر ایسا ہرگز نہیں آپ کی شان تو یہ ہے - اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اِنَّ شَأْنِكَ هُوَ الْاَبْتَرُ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کی آیت میں فرمایا ہے کہ جسمانی طور پر آپ اب نہیں - مگر روحانی سلسلہ آپ کا جاری ہے لکن جبرمات کیلئے آتا ہے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ خاتم ہیں آپ کی مہر سے نبوت کا سلسلہ چلتا ہے - ہم خود بخود نہیں بن گئے - خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے موافق جو بنایا - وہ بن گئے - یہ اس کا فعل اور فضل ہے - يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ خدا نے جو وعدے نبیوں سے کئے تھے - ان کا ظہور ہوا ہے - براہین احمدیہ میں یہ الہام اس وقت سے درج ہے - وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَكَانَ اَمْرًا مَفْعُولًا وغیرہ اس قسم کے بیسیوں الہام ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی ارادہ فرمایا ہوا تھا اسمیں ہمارا کچھ تصرف نہیں کیا جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ وعدے فرمائے تھے -

..... تو ہم اس وقت حاضر تھے - جس طرح خدا تعالیٰ مرسل بھیجتا ہے - اسی طرح اسنے یہاں اپنے وعدہ کو پورا کیا - آیندہ کے لئے اگر اسی قسم کے جلسے گفتگو کے ہوں - تو سوالات پہلے قلم بند ہونے چاہئیں - تاکہ ان کے جوابات دیکھ لئے جائیں - کیونکہ ہم تو ان بحثوں کا سلسلہ بند کر چکے ہیں چونکہ یہ کوئی شیر بازی نہیں اسلئے ضروری ہے کہ پہلے سے مرتب ہو جائے "

حضرت مولوی نور الدین صاحب نے عرض کی کہ حضور نے جو لکھا ہے کہ سورۃ نور سے نور حاصل کرو اور یہ ایک لطیف نکتہ معرفت ہے ایک شخص نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں سوال لکھ کر بھیجا تھا کہ اسکے دادا نے مکان کے ایک حصہ کو ہی مسجد بنایا ہوا تھا - اور اب اسکی ضرورت نہیں ہے - تو اس حصہ کو مکان

میں ملا لیا جائے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

یاں ملا لیا جائے۔ (الحکم جلد ۶ ص ۳۷) بعد نماز عشا آپ اندر تشریف لے گئے۔

عصر کے وقت مجلس حضرت مسیح موعودؑ میں ذکر ہوا کہ مولوی کرم الدین صاحب سکندہ بھین نے

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے پردہ دری والے مضمون کو پڑھ کر ایک خط لکھ کر دھکی دی ہے۔ کہ اب جو کچھ اس سے ہو سکا وہ کر لیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

ان کو لکھ دو کہ تمہاری دھکی تم پر ہی پڑیگی۔ جو دوسرے مولویوں پر پڑا ہے۔ وہی تم پر پڑیگا۔ ہماری باتیں آسمانی ہیں۔ ہم منصوبہ نہیں سوچتے۔ یہ نار دی ہے۔ کہ تم نے نام تک نہیں لکھا۔

شام کی نماز کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے تشریف رکھی۔ تو آپ کی طبیعت بعارضہ زکام ناساز تھی ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب طبی مشورہ عرض کرتے ہیں۔ پھر مولوی محمد علی صاحب نے منشی مظہر علی صاحب کا خط سنایا۔ جو میگزین کو پڑھ کر اس سلسلہ کی طرف رجوع ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے مزید اطمینان کے لئے چاہا۔ کہ ایک مقدمہ متدارکہ کے انجام کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ جواب دیں۔ آپ نے سنتہ اللہ کے موافق جو اقتراحی معجزات مانگئے۔ والوں کو جواب دینا چاہیئے۔ جواب دیا اور فرمایا کہ:-

خدا تعالیٰ نشان نمائی میں اپنی شرائط رکھتا ہے۔

اسکے بعد مولوی محمد حسن صاحب نے اپنا ایک لطیف مضمون سنایا۔ پھر ٹیکہ طاعون پر مختلف باتیں ہوتی رہیں۔ طاعون کا ذکر آنے پر حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی پیش گوئی کو دوہرایا۔ کہ براہین احمدیہ میں اسکی خبر دی گئی تھی۔ اِنِّیْ اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنَ ط اور پھر میرا نام نذیر رکھا گیا۔ کہ خدا زور آور حملوں سے تیری سچائی ظاہر کر دیگا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہی زور آور حملے ہیں۔ انسان کو جب کسی قسم کی بیماری نہیں ہوتی۔ تو وہ غافل ہو جاتا ہے۔ پھر جب زلزلہ کی طرح ہلا دیا جاتا ہے۔ تو وہ اپنی تبدیلی کی طرف توجہ کرتا ہے۔ جیسا کہ فرعون کا حال ہوا۔

۳۵ حدیث آتشِ دوزخ کہ گفت اعظم شیخ ۳۶ حدیث آتش روزگار ہجران بہت جب انسان اس دنیا سے اللہ تعالیٰ سے جدا ہوتا ہے۔ تو مرنے کے بعد اسکے تمثلات دوزخ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب ہرگز نہیں اور مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْتَرِماً بِالْكَفْلِ سَجَّ فَرَمَا ہے۔ جب آئندہ زندگی میں عذاب اور درد میں مبتلا ہو۔ گو وہ زندہ ہوتا ہے۔ لیکن نے الحقیقت وہ مردوں سے بدتر ہے۔ لیکن وہ حقیقی آرام کی زندگی جو مرنے کے بعد انسان کو ملتی ہے۔ وہ صلاح تقویٰ کے بدوں ہرگز نہیں مل سکتی۔ جس شخص کو بخار چڑھا ہوتا ہے۔ اُسے آرام میں کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ ایسی حالت میں تورات اور دن کا فرق بھی معلوم نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کی کہ روڑ کی میں بعض مسلمان آریہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ انہیں اس سے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ اور اب اشدہ ہو کر وہ کس درن میں لئے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شودرون میں اسی طرح دوسرے آریہ سے دریافت کیا کہ آپ کا درن کیا ہے۔ تو اسنے بھی شودر بتایا۔ اسپر میں نے پوچھا کہ کیا تم اپنی لڑکی نواریہ کو دے سکتے ہو۔ یہ سن کر وہ خاموش ہی ہو گیا۔

ولایت کے اخبار فری تھنکر سے ایک نوٹ سٹرپٹ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں سنایا گیا۔ کہ لوگوں نے اسپر حملہ کیا تو پولس نے اسکی حفاظت کی۔ بعد ازاں سٹرڈوئی کا اخبار آپ کو سنایا گیا۔ جس میں اسنے ایک فقرہ لکھا تھا کہ مسیح نے دو ہزار سوروں کو شیطان میں ڈال دیا آپنے فرمایا۔ کہ معلوم ہوا کہ گویا سور کے لئے موزون جگہ شیطان ہے۔ اور پھر سور کے لئے بہتر جگہ تمہارے نزدیک تمہارا پیٹ ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا۔ کہ شیطان کے لئے بہترین جگہ تمہارا پیٹ ہے سٹرڈوئی نے اپنے اخبار میں اناجیل کی بیان کردہ خمیر کی مثال درج کی تھی۔ کہ اسنے ایک اور تمثیل انہیں سنائی۔ کہ آسمان کی باد شاہت اس خمیر کی طرح ہے۔ جسے کسی عورت نے لیکر تین پیمانہ آنے میں ملا دیا۔

اور ہوتے ہوتے سب خمیر ہو گیا۔" اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-
 اگر یہ صحیح ہے۔ تو ایک پیشگوئی ہے۔ عورت سے مراد دنیا ہے۔ اور مسیح سے بیکر
 اس وقت تک تین ہی پہاڑے ہوتے ہیں۔ یعنی خود مسیحؑ۔ آنحضرتؐ اور پھر ہمارے یہ سلسلہ
 ہم نے جو تعلیم اپنی کتاب کشتی نوح میں چھاپ کر شائع کی ہے اسے بھی پڑھ کر صاف
 معلوم ہوتا ہے۔ کہ تین پہاڑوں کو ایک کیا گیا ہے۔ عورت سے مراد دنیا ہے۔ کہ
 اسنے طبعاً تقاضا کیا کہ یہ تینوں سلسلے اس طرح پرقائم ہوں۔ ہم نے آنحضرتؐ کی
 تعلیم کو پیش کر کے حضرت مسیحؑ کی تعلیم کے زوائد کو بیچ میں سے نکال دیا ہے۔
 براہین احمدیہ کے الہامات میں بھی تجھے اور حضرت مسیحؑ کو ایک ہی جوہر کے دو
 ٹکڑے کہا گیا ہے۔ (الحکم جلد ۶ ص ۳۷۷)

۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء صبح کی سیر کے وقت یاجوج ماجوج کا ذکر چل پڑا۔
 تو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ کے بعد وہ خدا تعالیٰ سے جنگ کریں گے۔ اس
 زمانہ میں وہ گویا خدا تعالیٰ سے جنگ میں مصروف ہیں۔ یہ ایک اسناد ہے۔ کہ
 جب ان کا اقبال یہاں تک پہنچ جائیگا۔ کہ کوئی سلطنت انکے مقابلہ میں نہ رہے گی۔
 تو پھر وہ خدا تعالیٰ سے جنگ کرنا چاہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنے کا یہ معنی ہے۔ کہ
 نہ انہیں تضرع اور زاری رہے گی۔ اور نہ دعا کی حقیقت پر نظر ہوگی۔ بلکہ سارا بھروسہ
 اپنی تدبیر اور اسباب دنیا پر ہوگا۔ اور قضا و قدر کا مقابلہ کرنے میں زور لگائیں گے
 ڈوٹھی کے ساتھ جو ہمارا مقدمہ خدا کی درگاہ میں تھا۔ اسمیں بھی اللہ تعالیٰ نے۔ یہی
 فرمایا۔ کہ ہم گویا اتر کر لڑے۔ انا نجافا نقطہ العدل و اسبابہ اور اسمیں دونو
 دشمن ناکام و نامراد رہے۔ جب قضا و قدر اٹل ہو۔ تو جو شخص ان کا مقابلہ کرتا ہے۔
 گویا وہ خدا تعالیٰ سے لڑائی کرتا ہے۔ یورپ کی دوسری سلطنتوں اور خصوصاً ہمارے
 گورنمنٹ برطانیہ کا بہت بڑا اقبال ہے۔ احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر
 سلطنت میں طاعون پھیلے گی۔ کیونکہ انکو اللہ تعالیٰ کے تصرف پر بالکل یقین نہیں
 ہے۔ سابقہ بادشاہوں کا دستور ہوتا تھا۔ کہ جب انکی رعایا پر کوئی آفت نازل
 ہوتی تھی۔ تو خود ان کے اللہ رتضرع کی حالت پیدا ہو جاتی تھی۔ وہ خود دعائیں

کرتے اور دوسروں سے دعائیں کراتے۔ اور صدقات وغیرہ سے کام لیتے تھے۔ لیکن اس زمانہ میں وہ حالت بالکل نہیں رہی۔ بلکہ سارا بھروسہ تدابیر و اسباب پر رہ گیا ہے۔ اور دعاؤں کو لغو اور بھودہ شے سمجھا گیا ہے بات اصل میں یہ ہے کہ قضا و قدر کا سلسلہ تو محض اللہ تعالیٰ کی سچائی پر ایمان لانا ہے۔ جب اسکے مقابل حضرت مسیح کو ہی خدا بنا لیا گیا۔ تو پھر قضا و قدر کے سلسلہ پر کیوں ایمان لائیں۔

انیوں کے بارے میں فرمایا۔ کہ جو لوگ انیوں کھاتے ہیں۔ وہ کہا کرتے ہیں۔ کہ ان کے موافق آگئی۔ دراصل وہ موافق نہیں آتی۔ بلکہ اندر ہی اللہ اپنا کام کر جاتی ہے۔ اور قوے کا ستیاناس کر دیتی ہے۔

اپنے اَلْہَامِ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کے بارے میں فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں بشارت دی ہے۔ یہ بالکل سچ ہے۔ اور یہ ایک نشان ہے۔ اسکی طرف سے اللہ تعالیٰ کسی علاج سے منع نہیں کرتا۔ بلکہ شہد اور مشک کا خود اپنے کلام پاک میں ذکر کرتا ہے۔ اسلئے اگر طاعون کا علاج ٹیکہ کروانا ہی ہوتا۔ تو سب سے پہلے ہمیں اسکے لگوانے کا حکم ملتا۔ خود گورنمنٹ کو بھی اس پر پورا پورا وثوق نہیں ہے۔ ہمارے اس اَلْہَامِ میں ڈرایا بھی ہے۔ جبکہ فرمایا۔ اَلَا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَادٍ وَجُورٍ کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اس ذمہ داری سے الگ ہیں۔ اور جن لوگوں کی زندگی کا درجہ ختم ہو گیا ہے۔ وہ بھی اس سے الگ ہیں۔ اور سب سے آخر یہ بات ہے کہ نبیؐ کا جو لوگ دار میں ہونگے۔ وہ محفوظ رہینگے۔ قرآن شریف میں بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور کافروں میں ایک مابہ الامتیاز رکھ دیتا ہے۔ اور انہیں فاروق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ جو شخص حشائش پر ہاتھ مارتا ہے۔ ایسی زندگی کا کیا مزہ ہے۔ قابل قدر اور ہمیشتی زندگی وہی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ سے تمسک ہو۔ ورنہ حشائش پر ہاتھ مارنے والوں کی زندگی کی تو ایسی مثال ہے۔ جیسے بلی کے بچے پیچھے کتا لگا ہوا ہو اور وہ چوہے کے بل پر ہاتھ مارتا پھرے۔

ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے ذکر کیا۔ کہ ایک شخص نے ان سے اس امر

پر گفتگو کی کہ انسان پہلے وحشی تھا۔ اور پھر ترقی کرتے کرتے تہذیب کے درجہ پر پہنچا۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ جب ہم انسان کو مہذب دیکھتے ہیں۔ تو کیوں ہم اس کی جڑ کو تہذیب نہ بتائیں۔ قرآن شریف سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ۔ ثُمَّ كَذَّٰبَاهُ أَتَقْلِبُ سَافِلِينَ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیچھے وحشی بن گئے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ کو پہلے عمدہ نمونہ دکھانا چاہیے تھا۔ یا خراب اور اول الدن درد کا مصداق۔ ایسا خیال کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش بری بنائی تھی۔ اور پھر گھس گھس کر خود عمدہ بن گیا یہ اس کی شان میں گستاخی اور توہین ہے۔ اس کی تو وہی مثال ہوتی ہے۔ جوشنوی مولوی رومی میں ایک بہرہ کی حکایت لکھی ہے۔ کہ وہ کسی بیمار کی عیادت کو گیا۔ اور خود ہی تجویز کر لیا۔ کہ پہلے اس کی مزاج دریافت کرونگا۔ وہ کہیگا اچھا ہے۔ تو میں کہوں گا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ پھر میں پوچھوں گا۔ کہ کیا کھاتے ہو۔ تو وہ چونکہ بیمار ہے۔ یہی کہیگا۔ کہ مونگ کی دال میں کہوں گا بہت اچھا ہے۔ پھر پوچھوں گا۔ کہ طبیب کون ہے وہ کہیگا۔ کہ فلاں ہے۔ میں کہوں گا خوب ہے۔ اس کا دست شفا ہے۔ لیکن جب بیمار کے گھر گیا۔ تو وہاں یہ گفتگو ہوئی:۔ بہرہ (مریض سے) آیکا مزاج کیسا ہے؟ (مریض) مر رہا ہوں (بہرہ) الحمد للہ۔ (بہرہ) مریض سے) آپکی غذا کیا ہے؟۔ (مریض) خونِ جگر (بہرہ) بہت اچھی غذا ہے (بہرہ) طبیب کون ہے۔ (بہرہ) (مریض) ملک الموت (بہرہ) طبیب اچھا ہے۔ دست شفا رکھتا ہے۔ ایسا خیال رکھنے والے لوگوں کی بھی کچھ ایسی ہی حالت ہے۔

کشتی نوح کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-
قرآن شریف سے پتہ لگتا ہے۔ کہ جب حضرت نوح کا بیٹا طوفان میں غرق ہونے لگا۔ تو حضرت نوح نے اسے کہا۔ کہ تو ہمارے پاس آ جا۔ تو اس نے جواب دیا۔ کہ مجھے تمہارے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤنگا۔ گویا وہ نادان اپنی تدبیر اور اسباب کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچنا چاہتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آج کے دن تجھے خدا کے عذاب سے کوئی چیز بھی بچانے والی نہیں۔ اسی طرح پر میرے اہام میں ہے۔ کہ وَاصْنَعِ الْفُلَکَ

يَا عِبْنَادُ وَحِينَا وَلَا تَخَ طِبْنِي فِي الذِّبْنِ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُفْرَقُونَ ۝
 اور مسجد مبارک کے بارے میں فرمایا۔ مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا۔ یہ ہر دو دلالت
 کرتے ہیں۔ کہ ایک طوفان عظیم آنے والا ہے جس سے وہی لوگ بچینگے۔ جو
 میری کشتی میں سوار ہونگے۔ اور ان کے ساتھ اب الہام اِنِّیْ اُحَافِظُ الْخَلْقَ بِمَوَدِّ
 ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ طاعون کا طوفان ہے۔ براہین احمدیہ میں اسکی
 طرف اشارہ کر کے صاف فرمایا۔ اِنِّیْ اَصْرُ الدَّيْلُ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنَ اِسْ وَقْتُ جَوْ
 لوگ ہماری کشتی میں سوار ہوتے ہیں۔ اور اپنے اندر نیک تبدیلی پیدا کرتے ہیں
 وہ اس بلا سے بچ جائینگے۔

فرمایا:۔ کہ زمانہ کی رسم کے موافق اب لوگ طاعون کے بارے میں کہتے
 ہیں۔ کہ یہ معمولی بات ہے۔ ایسا خیال ایک قسم کا عام ارتداد ہے۔ جو دنیا میں
 پھیل رہا ہے۔ جو لوگ ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ وہ نیم دہریہ ہوتے ہیں۔ اور ان کو اپنے
 علاج اور اسباب پر اس قدر توکل اور تکیہ ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ سے کم تعلق رہ
 جاتا ہے۔ پنجاب میں اب طاعون کا حملہ بہت زور سے جاری ہے۔ بمبئی
 کراچی اسکی موجودہ اوسط سے کوئی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسوقت اموات کی
 تعداد بہت بڑھی ہوئی ہے۔ پنجاب پر اسوقت طاعون کا حملہ کیوں زور سے
 ہو رہا ہے؟ ہمارے نزدیک اسکی یہ وجہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک
 سلسلہ قائم کیا ہے۔ جس کے اول المکذبین یہی لوگ ہوئے ہیں۔ اور انہوں
 نے ہی سب سے بڑھ کر کفر کے فتوے دئے ہیں۔ بعض آدمیوں نے کہا۔ کہ
 یہ طاعون گویا ہماری رسیح موعودہ نحوست کا نتیجہ ہے۔ یہ آواز کوئی نئی
 آواز نہیں۔ بلکہ حضرت موسیٰ کو بھی کہا گیا تھا۔ تطیرنا یا موسیٰ۔ لیکن ہمیں تعجب
 اس بات پر ہے۔ کہ یہ لوگ طاعون کو ہماری نحوست کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔
 لیکن مبتلا خود ہوتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہوتی۔ تو
 چاہئے تھا۔ کہ طاعون کی خبر ہمارے مخالفوں کو دی جاتی۔ لیکن یہ عجیب
 بات ہے۔ کہ اسکی خبر ہمیں دی گئی۔ اور اموات ہمارے مخالفوں میں ہوتی ہیں۔
 اور برخلاف اسکے ہماری حفاظت کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ اور اسے خدا ایک نشان

ٹھہراتا ہے۔ کچھ تو خدا سے ڈرنا چاہیے۔“

اللہ تعالیٰ کے نزدیک نذیر وہ ہوتا ہے جسکی تائید کے لئے اللہ تعالیٰ اوپر سے نشان نازل کرتا ہے۔ تاکہ اسکے مخالفوں پر خوف طاری ہو۔ ہمارا الہام ہے کہ خدا سے قبول کریگا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ پہلی الہامی کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ زور آور حملے طاعون کے ہیں۔ جن سے ہر راستہ بند کیا جاتا ہے۔ اور منہ سے اقرار کرنا پڑتا ہے۔ یا مسیح الخلق عدوانا۔

ندوة العلماء کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں ذکر آیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ:-

اصل بات یہ ہے۔ کہ ایک متقی شخص کے لئے تو گفتگو کرنے کی جگہ نہیں۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اسلئے لکھا ہے۔ کہ واللہ نَحْنُ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ کہ یہ لوگ جو امرت میں آئے ہیں۔ انکی بھی جھوٹی تہذیب نہ رہے بلکہ اسکی حقیقت کھل جائے۔ خوب یاد رکھو۔ کہ نداہنہ سے حق نہیں پھیلتا۔ بلکہ یہی سہی برکت بھی جاتی رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس بات سے ڈر کر کہ یہ علماء کی جماعت ہے۔ ان کے ساتھ ہو جائے۔ تو ہمیں اسکی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں۔ جن لوگوں کے لئے سعادت مقدر ہے۔ وہ رعب میں نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ ان کا خود ہی محافظ ہو جاتا ہے۔ یہ سنت اللہ ہے۔ کہ بعض خبیث فطرت لوگ مرتد ہو جایا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرتؐ اور حضرت مسیحؑ کے وقت میں ہوا۔ احمق لوگ نہیں جانتے۔ کہ اگر یہ ہماری اپنی بنائی ہوئی بات ہوتی۔ تو موجودہ شوکت کب رہتی۔ صرف طاعون کے ذریعہ سے ہی قریباً دس ہزار آدمی اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا۔ تو وہ خود

اس سلسلہ کو تباہ کر دیتا۔ ان لوگوں کے آخری چیلے رشتوں اور جنازوں وغیرہ کے متعلق ہوتے ہیں۔ اور اسی قسم کے چیلے کہ والوں نے بھی کئے تھے لیکن جیسا کہ وہاں پہلے سے ہی فیصلہ ہو چکا تھا۔ کہ سلمان ان سے الگ رہیں۔

ویسا ہی یہاں بھی ہوا جس مکان پر آنحضرتؐ کے خلاف مشورہ کیا گیا تھا اس کا نام دارالندوہ تھا۔ وہ بھی آنحضرتؐ کو تباہ کرنے کا آخری جیلہ تھا۔ اور ہمارے خلاف بھی ملائوں کا یہ آخری جیلہ ہے۔ امرتسر کا حال مکہ کی طرح ہی ہوا ہے۔ کہ وہاں سے ابو جہل کے انصار و اغوان کے مثیل ہمارے خلاف گندے سے گندے اشتہارات شائع کرتے رہتے ہیں۔ دارالندوہ کی کمی تھی۔ وہ بھی ان کے جبرِ ندوہ العملہ سے پوری ہو گئی۔

عصر کی نماز سے فارغ ہو کر جب مسیح موعودؑ اندرون خانہ تشریف لیجانے لگے تو قادیان کے پرانے آریہ لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملا دامل اپنے دوسرے دوستوں کے ہمراہ آپکی ملاقات کے لئے آگئے۔ آپ نے ان میں سے ایک سفید ریش معمر شخص کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:-

دینا کی کش مکش کی زندگی میں کوئی لذت نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو گھر بیٹھے بٹھائے گذارہ کے سامان ہسیا کرے۔ تو کوئی ضرورت نہیں۔ کہ انسان اہل حکومت کے پاس جائے۔ کیونکہ ان لوگوں کے پاس زیادہ آنا جانا بھی ایک قسم کا دوزخ ہے۔ ان

لوگوں کی حالت خارش کی مرض کی طرح ہے۔ جس میں کھیلانے والے کو ایک قسم کی لذت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن وہ شخص احق ہوگا۔ جو اس لذت کو پسند کرے۔ یہی حال بیہشہ حکام کے دروازوں پر جانیا والوں کا ہے۔ گوشہ نشینی کی زندگی ایک قسم کی بہشتی زندگی ہے۔ کسی نے کہا ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ۛ کسے را با کسے کارے نباشد
چھوٹے بچوں کو جب مدرسہ میں پڑھنے کیلئے بٹھاتے ہیں۔ تو انکی کش مکش ساری عمر یاد رہتی ہے۔ کیونکہ استاد کی حکومت کے نیچے ایک قسم کی تلخی معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں اپنے بچپن کا زمانہ یاد ہے۔ کہ رخصتوں کے بعد جب مدرسہ میں جانا پڑتا تھا۔ تو طبیعت پر ناگوار گذرتا تھا۔ اور باتیں تو یاد نہیں ہیں۔ لیکن مدرسہ جانے کا جو درد محسوس ہوا کرتا تھا۔ وہ خوب یاد ہے۔ ذیلدار وغیرہ اس قسم کے لوگ جو حکام کے دروازوں پر جاتے رہتے ہیں۔ عجیب در عجیب قسم کے

ابتلاؤں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ رشوت لینے اور دینے اور خوشامد وغیرہ کرنے کے عادی بن جاتے ہیں۔ وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہوتا ہے۔ اور اسے خدا تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے۔ جو کسی کی حکومت کے نیچے نہیں۔ اور جسے اس بات کی کوئی فکر نہیں۔ کہ اسے کوئی آوارات یا دن کو آئیگی۔ بعض لوگ اسیسر ہونے میں اپنی بڑی عزت سمجھتے ہیں۔ لیکن مینے دیکھا ہے۔ کہ وہ سخت پابندیوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک اسیسر وقت پر حاضر نہ ہونے کے باعث سزایاب ہوا تھا۔ اُسے شادی وغیرہ کا عذر دیا۔ لیکن حاکم نے کہا۔ کہ اسے یہ معلوم نہ تھا۔ کہ وہ اسیسر ہے۔ اور سزا دیدی۔ ہائی کورٹ نے اُسے بری کر دیا۔ غرض ان لوگوں کو اس قسم کی تکالیف اور ابتلا آتے رہتے ہیں۔

خواہ اپیلوں میں بری ہی ہو جائیں۔ لیکن ایک بار تو بے عزتی اور مصیبت کا منہ دیکھ لیتے ہیں۔ سعدیؒ نے کیا اچھا کہا ہے۔ ۵

کس نیاید بخانہ درویش : کہ خراج یوم دباغ گذار
انسان جس قدر دنیاوی دھندوں کی کش مکش سے بچا ہوا ہو۔ اسی قدر وہ خوش اور بامراد رہتا ہے۔ دنیاوی دھندوں میں مبتلا آدمی کے سینہ میں ایک قسم کی آگ لگی ہوتی ہے۔ اور وہ مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں آرام اور چین یہی ہے۔ کہ انسان کی کش مکش سے نجات ہو۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار چلا جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک ننگا فقیر بیٹھا تھا۔ جس نے بشکل اپنا ستر ہی ڈھانکا ہوا تھا۔ سوار نے فقیر سے دریافت کیا۔ کہ سائیں جی کیا حال ہے ؟ فقیر نے جواب دیا۔ کہ جس شخص کی ساری مرادیں پوری ہو گئی ہوں۔ اس کا حال کیسا ہوتا ہے۔ سوار نے تعجب سے پوچھا۔ کہ سائیں جی تمہاری ساری مرادیں کس طرح سے حاصل ہو گئی ہیں۔ فقیر نے جواب دیا۔ کہ جب ساری خواہشات چھوڑ دیں۔ تو گو یا سبھی حاصل ہو گئیں۔ حاصل کلام یہ کہ جب انسان اپنی سب خواہشات کے حصول کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ تو وہ تکلیف ہی اٹھاتا ہے۔ لیکن اگر قناعت اختیار کر کے سب کو چھوڑ دے۔ تو گو یا سبھی مل گئیں۔ نجات اور ملتی یہی ہے۔ کہ لذت ہو۔ دکھ نہ ہو۔ دکھ والی زندگی نہ تو اس جہاں کی اچھی۔

ہوتی ہے اور نہ اُس جہان کی جو لوگ محنت کرتے ہیں۔ اور اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں۔ وہ گویا اپنی کھال آپ اتارتے ہیں۔ اسلئے کہ یہ زندگی تو بہر حال ختم ہو جائیگی۔ کیونکہ یہ برف کے ٹکڑے کی طرح سے ہے خواہ اسے کیسے ہی صندوقوں اور کپڑوں میں لپیٹ کر رکھو۔ وہ پگھلتی ہی جاتی ہے۔ اسی طرح اس زندگی کے قائم رکھنے کے لئے خواہ کیسی ہی تدبیریں کی جائیں۔ لیکن سچی بات یہی ہے۔ کہ وہ ختم ہی ہوتی جاتی ہے اور روز بروز کچھ نہ کچھ فرق پڑتا ہی جاتا ہے۔ دنیا میں ڈاکٹر بھی ہیں۔ اور طبیب بھی۔ لیکن کسی نے عمر کو قائم رکھنے کا نسخہ نہیں لکھا۔ جب لوگ بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ تو ان کے خوش کرنے کیلئے بعض چا پلوں کہہ دیتے ہیں۔ کہ ابھی تمہاری عمر کیا ہے۔ ساٹھ برس کی بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔ غرض اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ انسان دنیا سے گزر جاتا ہے۔ رحمت علی ایک مذکورہ (چیراسی) تھا۔ اس کا بیٹا فقیر علی منصف ہو گیا تھا۔ اور اس وجہ سے لوگ اسکی عزت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ڈپٹی قائم علی نے اس سے دریافت کیا۔ کہ تمہاری عمر کیا ہے۔ اسنے جوابدہ کیا کہ کوئی ۵۵ سال کی ہوگی۔ حالانکہ وہ اسوقت ۶۵ سال کا تھا۔ قائم علی نے اسے کہا۔ کہ کیا ہوا۔ ابھی تو بچے ہی ہو۔ غرض جب کبھی کسی نے اس سے عمر پوچھی وہ ہمیشہ ۵۵ سال ہی بتایا کرتا تھا۔ میں نے کہا۔ کہ ۵۵ سال بڑا مشکل ہے کہ ختم ہونے میں بھی نہیں آتا۔ غرض ان لمبی عمر کا خواہشمند ہو کر نفس کے دھوکوں میں پھنس رہتا ہے۔ دنیا میں ہم لوگوں کی عمریں دیکھتے ہیں۔ کہ ۶۰ سال کی عمر کے بعد تو انسان کے قونے بالکل گداز ہونے لگتے ہیں۔ وہ شخص بڑا ہی خوش قسمت ہوتا ہے۔ جو ۸۰ یا ۸۲ سال کی عمر پائے۔ اور اسے قونے بھی کسی حد تک اچھے رہیں۔ ورنہ اکثر لوگ اس عمر کو پہنچ کر نیم سودائی سے ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں نہ تو مشوروں میں لوگ شامل کرتے ہیں۔ اور نہ اسمیں عقل اور دماغ کی کچھ روشنی باقی رہتی ہے۔ بعض وقت اتنی عمر کے بڑھوں پر عورتیں بھی ظلم کرتی ہیں۔ کہ کبھی کبھی ان بیچاروں کو روٹی دینی بھی بھول جاتی ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ سہ درجوانی کار و جہانی کن۔ لیکن مشکل یہ ہے۔ کہ انسان جوانی میں سست اور کاہل رہتا ہے۔ اور اسے مرنا بھی یاد نہیں رہتا۔ اور بڑے بڑے

کاموں میں مبتلا رہتا ہے۔ لیکن آخر جب چھتا ہے۔ تو اس وقت کچھ کر سکنے کے قابل نہیں رہتا۔ غرض اس جوانی کی عمر کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ ۵

نشانِ زندگی تا سبھی سال۔ چو چہل آند فروریزد پروال
عمر کا انحطاط چالیس سال سے شروع ہو جاتا ہے۔ ۳۰ اور ۳۵ سال تک جس قدر نشوونما ہونا ہوتا ہے۔ وہ پورا ہو جاتا ہے۔ اور بعد اسکے بڑھا ہو کر پھولنا شروع ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ فالج ہوتا ہے۔

لالہ شریعت اُس وقت جانے لگا۔ تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ:-
بیٹھو۔ اپنے دوسرے دوستوں کے ہمراہ جانا۔ انکو چوڑ کر اکیلے چلے جانا شرط وفا نہیں۔ پھر سابقہ سلسلہ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-
آپنے جس قدر ارادے اپنی زندگی میں کئے ہیں۔ انہیں سے بعض تو پورے ہو گئے ہونگے۔ اور بعض پورے نہ ہوئے ہونگے۔ اور اب اگر ان پر نظر ڈوڑاؤ گے تو معلوم ہوگا کہ گزشتہ زندگی کے ارادے ایک بلبلہ کی طرح سے تھے۔ جو فوراً ہی معدوم ہو جاتے ہیں۔ اور انسان کے ہاتھ تلے کچھ بھی نہیں پڑتا۔ گزشتہ آرام کو یاد کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اٹا اسکے تصور سے دکھ بڑھتا ہے اسلئے ایک عقلمند کیلئے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ موجودہ وقت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لے اور زندگی اسکی گزر رہی ہے اسے موجودہ حالات کے مطابق گذرنے کی کوشش کرے جو وقت گذر رہا ہو اسکا خیال میں لانا بیفائدہ ہو دیکھو جب انسان پچھتا رہا ہو اور ماں کی گود میں کھینٹا ہوتا ہو تو کس قدر خوش اور بے غم ہوتا ہو چھوٹے بڑے سب اٹھائے پھرتے ہیں گویا ایک بے ہوشی میں ہوتا ہو لیکن جب بڑا ہو جاتا ہے۔

تو اس زمانہ کو یاد کرتا ہے شیخ سعدیؒ کہتا ہے ۵

من آنکہ سرتاجوردا شستم کہ بر فرق ظل پدردا شستم
ماگر برو وجودم نشے نگس پریشان شدے خاطر می خند کس

بچپن کا زمانہ پھر کہاں سے لوٹ سکتا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ چلا جاتا تھا۔ راستہ میں چند چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو دیکھ کر رو پڑا۔ اور کہنے لگا۔ کہ جب سے اس صحبت کو چھوڑا ہے۔ بڑا ہی دکھ پایا ہے۔ پیرانہ سالی کا زمانہ بڑا ہے۔ اس وقت اپنے عزیز بھی یہی چاہتے ہیں۔ کہ یہ جلد مر جائے۔ اور بڑھا پلے

میں موت آنے سے پہلے ہی قوے مر جاتے ہیں۔ دانت گر جاتے ہیں۔ آنکھوں کی بنیائی جاتی رہتی ہے۔ شکل نیک بگڑ جاتی ہے۔ اور بعض لوگ تو ایسی عمر میں بعض اس قسم کی سخت بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ خودکشی کر لیتے ہیں بعض فحش انسان جن دکھوں اور مصیبتوں سے بچنا چاہتا ہے۔ ایک لخت انہیں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر ایسی صورت میں اولاد بھی نیک نہ ہو تو اور بھی دکھ اٹھاتا ہے اس وقت پھر انسان کو سمجھ آتی ہے۔ کہ اسنے غلطی کی اور عمر کو یونہی برباد کر دیا۔ لیکن دوبارہ۔ اگے کے دن پاچھے گئے اور ہر خدا سے کیوں نہ بہیت !

اب پچھٹائے کیا ہوتا ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت !

اسلئے عقلمند وہی شخص ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرے اسے واحد لاشریک سمجھے۔ اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ ہم نے خوب آزما کر دیکھا ہے۔ کہ کوئی دیوی اور دیوتا انسان کے کام نہیں آتا۔ اگر وہ صرف خدا کی طرف نہ جھکے۔ تو کوئی بھی اسپر رحم نہیں کرتا۔ اگر مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔ تو کوئی پوچھتا تک نہیں۔ ان پر زندگی میں ہزاروں بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ اسلئے خوب یاد رکھو۔ کہ ان بلاؤں سے غلصی دینے والا سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔ وہی ہے جو مابناپ کے دل میں محبت ڈال دیتا ہے۔ اگر وہ ان کے دلوں کو ایسا نہ بناتا۔ تو وہ بچوں کی پرورش نہ کر سکتے اسلئے اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا چاہیئے۔ (الحکم جلد ۶ ص ۳)

۹۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء

صبح کے وقت حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے ندوۃ العلماء امرتسر کے جلسہ پر شرکت کے لئے چند اجاب تشریف لے گئے۔

۱۰۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

قدوۃ العلماء کے علماء پر تمام حجت کرنے کیلئے ہم نے اپنے دوستوں کو امرتسر بھیجا ہے۔ گو ان علماء سے کوئی بہتری کی امید نہیں۔ کیونکہ ان کے مفاد و اغراض عام لوگوں سے وابستہ ہیں۔ لیکن ہم نے تو اپنی طرف سے تحفۃ الندوۃ کا تحفہ

دیکر اپنے آدمیوں کو وہاں بھیجا ہے۔ اگر خدا نے چاہا۔ تو نزول المسیح تیار کر کے
دلی روانہ کرینگے (الحکم جلد ۶ ص ۳۸۷)

۱۱ اکتوبر ۱۹۰۸ء یوم شنبہ۔ ایک نووارد دوست مولوی عابد حسین
صاحب کو مخاطب کر کے حضرت مسیح موعودؑ

نے فرمایا کہ :-

بہتر ہے کہ آپ پانچ سات روز یہاں قیام کریں۔ امتناع نہ اور پھر جلد واپس چلا جانا نیک
نہیں۔ دیتا وی امور میں لوگ کتنی غصقات اور چھان بین کرتے ہیں۔ تو پھر آپ کیوں اتنی جلدی کرتے
ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو شخص کسی امر میں جلدی لے لے قائم کر لیتا ہے وہ دوسروں کو بھی ابتلائیں دیتا
ہے پس خلاف واقعہ لڑتے ظاہر کرنا خون کرنے کے برابر ہے۔ بہت سی ایسی باتیں
ہوتی ہیں۔ کہ جون جوں انسان اُن پر زیادہ غور کرتا ہے۔ اسی قدر اُن کا نتیجہ عمدہ
نظر آتا ہے۔ انسان کو سچائی تک پہنچنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔
اول خدا داد عقل اور فہم ہو۔ دوم خدا داد سعادت ہو۔ جن لوگوں کو نیکی سے
مناسبت نہیں ہوتی۔ ان کے دلوں میں نیک لوگوں کی نسبت کراہت اور
اعتراضات پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ گذشتہ لوگوں میں سے
اکثر نے اپنے وقت کے راست باز لوگوں کا انکار کیا۔ آپ دور دراز علاقہ سے آئے
ہیں۔ اور انکو یہاں آتے ہی ایک روک پیدا ہو گئی ہے۔ اور ہم نے تو ایک ہی
روک کا ذکر سنا ہے۔ حالانکہ مخالفانہ باتیں سنکر اور انکی تحقیق کر لینے کے
سوائے احقاق حق نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ منافقانہ طور پر ہاں ہاں ملا دیتے
ہیں۔ پس ایسے لوگ کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ کو جس بات کی
سمجھ نہ آئے۔ تو خوب دل کھول اعتراضات کریں ہم ان شاء اللہ پورے طور
پر جواب دینے کو تیار ہیں۔

مولوی حامد حسین صاحب۔ تمام مذاہب دہلے اپنے اپنے مذہب کو صحیح
خیال کر رہے ہیں۔ ہم سچے اور چھوٹے کا فیصلہ کس طرح سے کریں ؟
حضرت مسیح موعودؑ۔ نہ صرف اس زمانہ میں بلکہ ہمیشہ سے سچے مذہب کی
شناخت کے لئے ضروری رہا ہے۔ کہ دو باتیں اسمیں موجود ہوں۔

اول۔ یہ کہ اسکی تعلیم پاک ہو۔۔۔۔۔ یعنی اسکی تعلیم پر
 انسان کی عقل اور کائنات شناسی و ضمیر کا کوئی اعتراض نہ ہو سکے۔ کیونکہ یہ امر
 ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی تعلیم میں ناپاک امور ہوں۔
دوّم۔ اسکے ساتھ تائیدات سماویہ کا سلسلہ ایسا وابستہ ہو کہ جسکے ذریعہ
 سے انسان خدا کو پہچان سکے۔ اور اسکی تمام صفات کا مشاہدہ کرے۔ تاکہ
 گناہ کی زندگی سے بچ جائے۔ گو انسان ایک سچے مذہب میں ہی داخل ہو۔
 لیکن اگر اسکے ساتھ کوئی نشان نہیں تو وہ ایسے چشمہ کی مانند ہے کہ جو ایسی
 جگہ واقع ہے کہ جسکے ارد گرد پہاڑ یا دیوار ہے یا وہ ایسے خدستان میں واقع ہے
 کہ وہاں تک کسی کا گزر نہیں ہو سکتا۔ تو ایسا چشمہ ہمارے لئے بالکل فضول ہے جتنا کہ اس تک
 پہنچنے کیلئے ہمارے پاس کوئی نشان نہ ہو غرض سچے مذہب کیلئے ضروری شرط یہ ہے کہ ہندو
 اسباب موجود ہوں جن کے ذریعہ سے پختہ طور پر معرفت الہی پیدا ہو جائے۔ یہ ایک
 بدیہی بات ہے کہ انسان کے لئے سب سے زیادہ مصیبت اس بات کی ہے
 کہ اسے طرح طرح کے مصائب۔ شدا ئد اور کسل وغیرہ کے کٹرے چٹے ہوئے
 ہیں جو اسے ہمیشہ کھاتے رہتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے روکنے رہتے
 ہیں۔ اور انہیں کی وجہ سے انسانوں اور خدا کے درمیان ایک بُعْد پڑا ہوا ہے۔
 اسلئے سچے مذہب میں ایسے وسائل ہونے چاہئیں۔ جو اسے روز بروز خدا تعالیٰ
 کی طرف کھینچتے رہیں۔ اور کامل یقین پیدا کر کے اسے اپنے خالق سے ملاویں
 دنیا کے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کے منکر نہیں۔ لیکن ان کے اعمال سے صاف
 ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ضرور اسکے منکر ہیں۔ مینے کئی بار اپنی کتابوں میں اس کا
 مفصل طور پر ذکر کیا ہے کہ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر پورا پورا یقین ہو
 تو وہ ہرگز بدی کے قریب بھی نہیں جاسکتا۔ مثلاً دیکھو۔ اگر ایک شخص کسی
 سوراخ میں سانپ کو داخل ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ تو وہ کبھی اس
 سوراخ کے قریب بھی نہ جائیگا۔ اور نہ اسمیں ہاتھ ڈالنے کی جرأت کریگا۔
 اسی طرح اگر ایک جنگل میں درندوں کے ہونے کا یقین ہو۔ تو انسان کبھی
 اس جنگل میں نہ جائیگا۔ پھر باوجود علم کے کبھی ایک زہریلے کھانے کو نہ کھائیگا۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ امر یقین کے لوازم میں سے ہے کہ جس چیز کو انسان اپنے لئے مہلک سمجھتا ہے اسکے قریب تک نہیں جاتا۔ لیکن پھر کیوں ایسا ہوتا ہے۔ کہ بعض وقت ایک انسان دوسرے انسانوں کے حقوق غصب کرتا۔ ان کو تلف کرتا۔ رشوت لیتا۔ چوری اور بد معاشی کرتا ہے۔ اور اسی طرح اپنے غصہ وغیرہ کو بھی اعتدال پر نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ پیرائے مالی اُسے ان تمام گناہوں اور بد کاریوں سے چھڑا دیتی ہے۔ لیکن جب تک جسمانی قوت مضبوط ہوتے ہیں وہ ہر قسم کی بے اعتدالیاں اور بد کاریاں کرتا رہتا ہے۔ ان تمام امور سے ثابت ہوتا ہے کہ اسے خدا کی ہستی پر ایمان و یقین نہیں کہ جو اسے ان بد کاریوں سے باز رکھ سکے۔ ہر ایک شخص خود اپنے نفس سے گواہی طلب کر سکتا ہے کہ وہ اعتدال کے راستہ پر جیسا کہ چلنے کا حق ہے نہیں چلتا۔ پس انسان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ ان تمام اعتدالیوں پر جو اس سے ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں غور کرتا رہے کہ ان کے ظہور کی کیا وجہ ہے ان پر غور کرنے سے بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ہے وہ اس سے نہیں ڈرتا۔ بعض دفعہ تو احسان سے اور بعض دفعہ خوف سے بھی انسان گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ شریر لوگ بھی ایام و باوغیرہ میں نمازیں شروع کر دیتے ہیں۔ پس جس مذہب میں یہ دو باتیں یعنی پاک تعلیم اور خدا رسی کے سامان پائے جائیں۔ وہی سچا مذہب کہلائے جائے کا مستحق ہے۔ اور یہ دونوں باتیں سوائے اسلام کے کسی دوسرے مذہب میں ہرگز نہیں مل سکتیں جس طرح اللہ تعالیٰ کو اسلام نے بین ثبوتوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ایسا کسی دوسرے مذہب نے پیش نہیں کیا۔ ایک طرف تو اسکی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ دوسری طرف اگر ایک شخص اپنے اندر دس دن بھی تبدیلی پیدا کرے۔ تو اس پر انوار و برکات نازل ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ آج کل اسلام میں اس قدر فرقے بن گئے ہیں کہ گھر گھر ایک نیا فرقہ نظر آتا ہے۔ جس سے اسلام میں ایک پراگندگی سی پیدا ہو گئی ہے ایک طرف شیعہ ہیں جنہوں نے حضرت امام حسین رض کولات کی مانند بنا رکھا ہے۔

اور وہ حسینؑ پرست بنے ہوئے ہیں۔ خوارج حضرت علیؑ کو گالیاں دیتے ہیں۔ اہل سنت بظاہر اعتدال پر نظر آتے ہیں۔ لیکن اب انہوں نے بھی ایسے عقائد اختراع کر لئے ہیں کہ وہ شرک کی حد تک پہنچ گئے ہیں مثلاً مسیح کو خالق سمجھنا اور اسے اعیانہ موٹے کرنے والا ماننا اور قبر پرستی وغیرہ کرنا۔ پس پاک طریقہ وہی ہے جو قرآن کا معیار۔ اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگرچہ اتنے اختلافات دیکھ کر بظاہر انسان گھبرا جاتا ہے۔ کہ انہیں سے کون اندھب حق ہے۔ لیکن خوب یاد رکھو کہ جو یہ دہ یا بندہ۔ صبر اور تقویٰ سے حق مل ہی جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ غنی اور بے پرواہ ہے۔ اگر انسان اس کے حضور خاک رہنے تو وہ لطف اور احسان کرتا اور اس کا سینہ کھول دیتا ہے۔ انسان کو چاہیے۔ کہ ہر وقت توبہ و استغفار سے کام لے اور کبھی نہ گھبرائے۔ وہ شخص جو خدا سے دور ہے۔

وہ بیمار کی مانند ہے۔ اور جیتک اسے دیکھ نہ لیگا کبھی شفا نہ پائیگا۔ دنیا کے دھندوں کے جملہ تعلقات سے منہ موڑ کر انسان کو خدا سے تعلق پیدا کرنا چاہیے۔ جیتک یہ نہ ہو۔ دنیا کے تعلقات میں پڑے رہنا محض گندگی اور نجس پن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ اَعْمٰی فِهٖوْ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنا بڑی دولت ہے۔ اس دنیا میں اندھا وہی شخص ہے جسے خدا تعالیٰ پر یقین حاصل نہیں ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ کا حسن۔ جمال اور جلال انسان پر ظاہر ہوتا۔ اور اس کی تجلی اس کے دل پر اثر کرتی ہے۔ تو اس کے لئے ممکن نہیں رہتا۔ کہ وہ گناہ کی طرف رغبت کر سکے۔ انسان گناہ کی طرف اسی وقت مائل ہوتا ہے۔ جبکہ اسے خدا کی ہستی پر شک ہو جاتا ہے پس جو شخص اپنے نفس کا خیر خواہ ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ خدا پر یقین پیدا کرے۔ حضرت مسیح کے زمانہ میں تو گناہ کی کمی تھی۔ لیکن جب انہی قوم میں کفارہ کا مسئلہ رائج ہو گیا۔ تو اسنے دنیا کو گناہ سے بھر دیا۔

خوب یاد رکھو کہ انسان اپنی کوشش سے اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر نہیں چل سکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ تم سب اندھے ہو۔ مگر جس کو اللہ تعالیٰ آنکھیں دے۔ تم سب بہرے ہو۔ مگر جس کو خدا تعالیٰ کان دے وغیرہ۔

جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی ہدایت کا ارادہ فرماتا ہے، تو خود اس شخص کے دل میں ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ جب تک دل کا واعظ نہ ہو، انسان کی تسلی نہیں ہو سکتی۔ دینی امور میں بھی جب تک انسان کا دل تقوے سے پُر نہ ہو، روح القدس کی تائید نہیں مل سکتی۔ تقوے کے بغیر انسان ضرور ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے۔ اسلام کی حقیقت تقوے اور نیک بختی ہے اور یہ حاصل نہیں ہو سکتی

جب تک کہ انسان کو خدا تعالیٰ پر یقین حاصل نہ ہو۔ اور یقین کا حصول محض اس کے فضل اور اس کی رضا کی راہوں پر جدوجہد سے مل سکتا ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں فرمایا۔ **وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِيْهَا لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سُبُلًا** اس لئے انسان کو چاہئے کہ دنیا کی ملوثی سے الگ ہو کر اپنی زندگی پر غور کرے اور اپنی حالت کا موازنہ کرے کہ آئینے

دنیا میں آکر کونسی نیکی کمائی ہے۔ ظاہری قیل وقال پر نہ رہے۔ اور نہ الفاظ پرست بنے۔ بلکہ اپنے دل کی حالت پر نظر غور ڈالے اور دعا میں مشغول رہے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رضا کی راہوں کی طرف ہدایت دیکھ دے گا۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ پاک دل ہو کر خدا کے سامنے کھڑا ہو۔ اور رو رو کر عاجزی سے اس کے حضور گر گڑا رہے۔ تبھی ہدایت پاس کیگا۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو ہماری باتوں کو قبول نہیں کرتے۔ اس لئے وہ ہمارے مخاطب نہیں کیونکہ انکی مشرت میں ہی انکار ہے۔ اور وہ اس انکار کا نتیجہ بعد موت دیکھ لینگے۔ ایک سعادت مند شخص کو تو زیادہ سمجھانے کی بھی ضرورت نہیں۔ اسکی مثال تو پتھر میں آگ کی موجودگی کی ہے۔ کہ جب پتھر پر لوہا لگا۔ فوراً اس سے آگ کی چنگاری نکل آئی۔ وجہ یہ کہ آگ پتھر میں قدر تا موجود تھی۔ اور وہ صرف ضرب کی محتاج تھی۔ لیکن جس کے اندر وہ موجود ہی نہیں۔ اس میں سے کیا نکل سکتی ہے۔ ہر ایک نیکی کا کام اس وقت قبولیت کا درجہ حاصل کر سکتا ہے جبکہ اس کے اندر تقوے ہو۔ ورنہ نہیں انسانی زندگی کی مثال تو برف کے ٹکڑے کی طرح سے ہے۔ خواہ اسے ہزار ہا پردوں کے اندر رکھو۔ تب بھی وہ پگھل جائیگی۔ اصل میں مخالف کی بات کا امتحان خود اسی سے دریافت کر کے ہوتا ہے۔ مینے تو اپنا مسلک بیان کر دیا ہے۔ میرے پاس بہت سے

عیسائی آیا کرتے تھے۔ جواب نہیں آتے۔ اور میں ہمیشہ انہیں یہی کہتا رہا ہوں کہ اپنے مذہب کو زندہ مذہب ثابت کرو۔ ورنہ سرفہ تو ہمیں خود اٹھانا پڑیگا۔ اور جو زندہ ہے۔ وہ ہمیں اٹھا دیگا۔ لیکن اس کا کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ یورپ۔ امریکہ میں سولہ ہزار اشتہار رجسٹری کروا کر بھیجا۔ لیکن کوئی جواب نہ آیا۔

ہمارا خدا زندہ ہے۔ جو ہماری آواز کو سنتا ہے۔ اور ہمیں جواب دیتا ہے پس ہم صلیب پر چڑھائے ہوئے خدا کو کیوں مانیں انہیں اکثر لوگ شریر ہوتے ہیں۔ اور ان کے پاس باتیں ہی باتیں ہوتی ہیں پندرہ برس کا تھا۔ جب سے عیسائیوں اور میرے درمیان مباحثات کا سلسلہ جاری ہے۔ اور جہاں تک دیکھا گیا ہے۔ ان کے پاس غرض اعتراض ہی اعتراض ہیں اور ان کا طریق ہمیشہ حضرت نبی کریم پر اعتراضات ہی کرنے کا رہا ہے۔ جس سے جاہل بد نصیب شک میں پڑ جائیں۔ دوسری طرف لوگوں کو دنیاوی طمع دیکر مرتد بنالینا۔ ان کا شعار ہے میں نے سنا ہے۔ کہ ہندوستان میں انہوں نے ۲۹ لاکھ انسانوں کو ان ذرائع سے مرتد بنا لیا ہے۔ اسلام کی دشمنی میں یہ لوگ حد سے بڑھ گئے ہیں۔ آریہ بھی ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ زمینی سلطنت نہیں۔ اسلئے ان کا مقابلہ کوئی ایسا سخت نہیں بلکہ ایک اخبار نے اپنی تحقیقات لکھی ہے۔ کہ آریہ مذہب کے پھیلنے سے بہت سے ہندو مسلمان ہو رہے ہیں۔ مرتے بھی بہت ہیں۔ اور مذہب بھی بہت سے چھوڑ دیتے ہیں۔ اسلئے آریہ مذہب ہمارے نزدیک کچھ خیر نہیں۔ طاعون کو دیکھا ہے۔ کہ پہلے ہندو سے شروع ہوتی ہے۔ بمبئی۔ سیالکوٹ۔ جالندہر وغیرہ شہروں میں پہلے انہی سے شروع ہوئی۔ اور جب مسلمانوں میں گئی۔ تو پھر بھی یہ لوگ شامل رہے۔

نو وارو صاحب۔ وجودی فرقہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

حضرت مسیح موعود۔ میرے نزدیک وجود اور شہود بھی تدبر کرنے کے قابل امور ہیں۔ میرا اپنا مذہب تو یہ ہے۔ کہ جہاں انسان قدم رکھنے کا مستحق نہیں وہاں قدم رکھنا اسکے لئے غلطی اور نہایت جرات کی بات ہے۔ وجودی فلسفی رنگ کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ جس طرح ایک ڈاکٹر ایک مرنے کو چیر بھاڑ کر

اسکی اندورنی بناوٹ کو دیکھ لیتا ہے۔ اسی طرح اسنے بھی خدا کو دیکھ لیا ہے۔ اور یہ بھی ان کا دعوئے ہے۔ کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَنْشِیَا وَهُوَ عِیْنُہَا۔ جو حقیقت میں بہت بڑا دعوئے ہے۔ شہودی مذہب استیلاء محبت کا نام ہے جس طرح سے کہ لوہے کو اگر آگ میں نہایت گرم کیا جائے تو وہ آگ کی طرح سے سرخ ہو جاتا ہے۔ تو ایسی حالت میں کوئی شخص اُسے آگ کہہ دے۔ تو وہ ایک حد تک معذور رہے۔ کیونکہ آگ اس پر اس طرح سے مستولی ہو گئی ہوتی ہے۔ کہ اس میں تمام خواص آگ کے پائے جاتے ہیں کسی کا شعریہ۔

من تو شد من تو من شدی من تن شد من تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگر می

غرض شہودی مذہب کی بنا اس بات پر ہے۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات سے بہت صاحبہ لے سکتا ہے۔ اور اس طرح سے اسکے رنگ میں رنگین ہو سکتا ہے۔ جب خدا اور اسکی مخلوق کی محبت ایک شخص کے دل میں آکر جمع ہو جاتی ہیں۔ تو ایسے شخص پر ایک نیا رنگ پڑھ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ گویا بالکل خدا میں کھو یا گیا ہے۔ اور اپنے تئیں فنا دیکھتا ہے۔ اور ہر طرف اسے خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ برخلاف اسکے وجودی ایک ظاہری حقیقت کا طالب ہوتا ہے جسے محبت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جس طرح سے آجکل کے وجودی نرا دعوئے ہی دعوئے کرتے پھرتے ہیں۔ کہ وہ خود خدا ہیں۔ شہود والا کہتا ہے۔ کہ انسان انسان ہے۔ اور خدا خدا ہے۔ یعنی شہود کے طور پر اپنے تئیں طالب اور خدا میں فنا ہوا پاتا ہے۔ اگر انسان کو خدا بننا تھا۔ تو یا اس جہان میں خدا بنتا یا آخرت میں۔ لیکن مشاہدہ کہتا ہے۔ کہ وہ یہاں بھی انسان رہتا ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی انسان ہی رہیگا۔ انہایت کا جامہ تو اسکے اوپر سے کہیں بھی اترتا نظر نہیں آتا۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص اپنے مذاق کا علیحدہ ہی رنگ رکھتا ہے۔ بہت سے لوگوں کو توالی سننے میں لذت آتی ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ عارفانہ مشرب نہیں ہے۔ پس اگر وجودی مذہب کے لئے کوئی دلیل دینا میں ہوتی۔ تو چاہیے تھا۔ کہ کوئی انسان تو ہمیں ایسا نظر آتا۔ کہ جس میں خدائی

صفات ہوتیں۔ دنیاوی لوگوں کے منکھڑت خدا اور اللہ تعالیٰ کے مرسل بندہ کے حالات کا مقابلہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ مسیح جسے لوگوں نے خدا بنایا۔ ایسے دشمنوں نے پکڑ لیا۔ لیکن خدا کے پیچھے مرسل بندہ حضرت محمد کو پکڑنے والا خود مر گیا۔ غور کرو۔ کہ ایک شخص جو انسان کہلاتا ہے۔ اور اپنے سارے کاروبار خدا پر چھوڑتا ہے اسے گرفتار کرنے والا خود مارا جاتا ہے۔ لیکن وہ جسے خدا بنایا جاتا ہے۔ ایسا عاجز ثابت ہوا۔ کہ یہودی جنکی صفت میں آیا ہے ضربت علیہم الذلۃ والمسکنة ایسے بناوٹی خدا کو ایک ہی گھنٹہ میں گرفتار کر لیتے۔ اور مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ کیا ایسا عاجز شخص بھی خدا کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے۔ کہ وہ محض خدائی تھی۔ تو اسے جانے دو۔ ہمارا دعوئے ہے کہ ہم سے خدا تعالیٰ باتیں کرتا ہے۔ اور خوارق و معجزات ہمارے لئے دکھاتا ہے۔ لیکن باوجود ان کے ہمارا دعوئے انسانیت کا ہے جیسے دیوار کا وجود ایک الگ چیز ہے اور دھوپ کا وجود الگ اسی طرح خدا اور انسان کا وجود دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الْوَحْدَنِ الرَّحْمِیْہٗ مُلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ نظام دینا پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کوئی ان کا رب ہے۔ جسکی سیب مخلوق ہیں۔ پس جو شخص رب ہونے کا دعوئے کرتا ہے۔ وہ سچے خدا کے مقابل اپنی خدائی کا کوئی ثبوت پیش کرے۔ جیسے انسان مخلوق ہے۔ ویسے ہی سوچ چاند ستارے مخلوق ہیں۔ پھر ان کے پیدا کرنے والے کو چھوڑ کر ہم کس طرح ان مخلوق چیزوں کو خدا مان لیں۔ تمام انبیاء اللہ تعالیٰ سے خائف رہے ہیں۔ اگر وجودی لوگوں میں کچھ بھی خدائی کارنگ ہوتا۔ تو انہیں خوف کیوں آتا۔ میری عجات میں بھی ایک شخص مولوی احمد جان صاحب لودیا نوی وجودی خیال کے تھے لیکن مجھ سے انہوں نے کبھی اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کی۔ اور اب تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ وہ وفات پا گئے ہیں۔ اور ساری عمر اسی خیال کے رہے۔ ہم کسی کے غلام نہیں۔ اور نہ اندھے مقلد ہیں بلکہ ہم تو امن اور روشن ترین راہ اختیار کرتے ہیں۔ اور وجودیوں یا کسی اور کے ہرگز دشمن نہیں۔ بلکہ ہم ایسے لوگوں کو قابلِ رحم سمجھتے ہیں۔

نو وارد۔ لیکن آیت ہوالاول ہوالاخیر الخ سے وحدت وجود ثابت ہوتا ہے؟
حضرت مسیح موعودؑ۔ خوب یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں
 بعض آیات کی تفصیل دوسری آیات سے ہو جاتی ہے۔ ہوالاول کی تفسیر یہ
 ہے۔ کہ کَانَ اللّٰهُ وَلَمْ یَكُنْ مَعَهُ شَیْءٌ۔ اور ہوالاخیر کی تفسیر یہ ہے۔ کُلٌّ مِّنْ
 عَلَیْہَا فَاِن۔ اسلئے ان آیات کے معنے وہی پسندیدہ ہیں۔ جو خدا نے خود بتائے
 ہیں۔ افسوس ہے۔ کہ اس زمانہ کے یہودی صفت مسلمان نہ تو صوم و صلوٰۃ کے
 ہی پابند ہیں نہ اور نہ قرآن کو کبھی کھول کر اسکو تدبر سے مطالعہ کرتے ہیں۔ اور اسکی
 بجائے شراب خوروں۔ بھنگیوں۔ اور دہریوں کی مجالس میں بیٹھنا ان کا شیوہ
 ہو رہا ہے۔ ہمارے ملک کا جمیں جالندہر۔ بٹالہ۔ ہوشیار پور۔ سیالکوٹ۔
 وغیرہ شامل ہیں۔ عام طور پر یہی ولیرہ ہے۔ انہیں سے اکثر کہتے ہیں۔ کہ وجودی
 وہ ہے۔ جو خدا کا نام بھی نہ لے۔ کیونکہ جو کچھ موجود ہے۔ وہ مخلوق ہی ہے۔ اور
 ان کے نزدیک اعلیٰ درجہ کا وجودی وہ شخص ہے۔ جو دہریہ کے نام سے موسوم ہے
 ہر ایک شخص اپنے قول و فعل کا دمہ دار ہے اسلئے اسے ہر ایک امر میں نہایت
 غور و خوض سے فیصلہ کرنا چاہیے۔

دکان اللّٰهُ وَلَمْ یَكُنْ مَعَهُ شَیْءٌ۔ ایک حدیث ہے۔ اور احادیث و تورات
 سے ثابت ہے کہ خدا تھا۔ اور زمین اور آسمان وغیرہ میں سے کچھ بھی موجود نہ تھا۔
 اہل کتاب کا یہ مسئلہ مسئلہ ہے۔ اسلئے مڑ مڑ کر اسکے کوئی اور معنی کر لینا درست
 نہیں ہے۔ بعض انسان مذاق کے بہت دلدادہ ہوتے ہیں۔ لیکن وہ سمجھتے نہیں۔
 کہ یہ ایک قسم کا زہر ہے۔ اسلئے ہمیں اپنے مذاق کے معنی پسند نہیں کرنے چاہئیں۔
 بلکہ تواتر۔ قرآن اور حدیث کو دیکھنا چاہئے۔ اور سب کا یہی فیصلہ ہے۔ کہ ایک
 وقت تھا۔ کہ خدا موجود تھا۔ لیکن اسکی مخلوق میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ میرا
 اپنا خیال ہے۔ کہ وحدت وجود کا مسئلہ بھی مذاق سے پیدا ہوا ہے۔ لیکن کل
 کتب سابقہ سے اسکی کوئی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکے خلاف قرآن و توریت
 میں تفصیل موجود ہیں اسلئے ایسی فضول بحثوں میں وقت ضائع کرنے کی کوئی
 ضرورت نہیں۔ انسان کے لئے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ اجمالی طور پر اللہ تعالیٰ

پر ایمان رکھے اور جب وہ اسمیں ترقی کریگا۔ تو خود بخود اس پر حقائق و معارف کھلتے
 جائیں گے۔ ایک مرض انسان کو ایسی ہو جاتی ہے۔ کہ جسمیں قوت ذائقہ مفقود ہو جاتی
 ہے۔ اور آدمی کو ترشی۔ مٹھا۔ کرہوا۔ نمکین کسی چیز کا ذائقہ معلوم نہیں ہو سکتا۔
 بلکہ یہ سب کچھ اسے بے مزہ معلوم
 ہوتی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صرف قوت حاسبہ ہی کام دے رہی ہے
 اس طرح ناک میں ایک قوت ہوتی ہے۔ جس شخص میں وہ نہیں رہتی۔ اسے اخشم
 کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کے کانوں کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔ ان جسمانی قوتوں
 کی طرح بعض اوقات انسان کی روحانی قوتیں بھی جاتی رہتی ہیں اور انسان سرسید احمد خاں
 کی طرح سے دعا کی قبولیت اور قسم کی دوسری باتوں کو ناممکن خیال کر بیٹھتا ہے۔ دعا کی قبولیت
 پر ہمارا کامل ایمان ہے اور ہم نے اس کی قبولیت کے نتائج کو بھی دیکھا ہے لیکن ہم کے قتل سے پہلے پانچ
 سال مینے اسے انجام کی خبر دی تھی۔ اور اس وقت سرسید احمد خاں صاحب کو بھی لکھ دیا تھا کہ مینے
 لیکھ ہم کے واسطے دعا کی ہے جس پر مجھے خبر دی گئی ہے۔ کہ میری دعا قبول ہو
 گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اسے بہت ناک موت سے ماریگا۔ اور یہی نمونہ قبولیت
 دعا کا آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر یہ دعا قبول نہ ہوئی تو آپ کے دعویٰ کا ثبوت
 ہوگا۔ اور اگر قبول ہوگئی۔ تو آپ اپنے اس عقیدہ سے رجوع کر لینا۔ چنانچہ سر
 سید صاحب لیکھ ہم کی موت کو دیکھ کر فوت ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
 لا تُشَدُّ رُكْلُ الْاَبْصَارِ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ آنکھیں تو اس کو دیکھ نہیں
 سکتیں جب ایک شخص وجودی ہو گیا۔ تو پھر باقی کیا رہ گیا۔ اصل میں یہ سب مذاقی
 باتیں ہیں۔ ثبوت تو اس بات کا ہوتا ہے جس کا نمونہ بھی انسان دکھلا دے۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مولیٰ حضرت عیسیٰ کے مصائب پر غور کرو۔
 اسلئے اگر انسان کچھ روحانیت کا نمونہ دیکھنا چاہے۔ تو سب پہلے اسے خدا سے تعلق
 پیدا کرنا چاہیے جب انسان ایک گھر میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو اس گھر کے اندرونی
 حالات کا اسے خود ہی پتہ لگ جاتا ہے۔ اسلئے جیتنا کہ وہ گھر سے باہر اور کوسوں
 دور ہے۔ وہ اندر کے حالات کیسے بتا سکیگا۔ مناسب ہے کہ آپ چند یوم
 ہمارے پاس ہیں۔ اور خاص ہمارے سلسلہ کے متعلق جو اعتراضات ہوں

وہ بیان کریں گے

تو کارے زمیں رانکو ساختی + کہ با آسمان نیز پرداختی
ہم نے بعض ایسے آدمی دیکھے ہیں۔ جو کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ اچی اس جھگڑے کو جانے
دو۔ رفع یدین اور انگلی اٹھانے کا فیصلہ کرو۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ اپنا اپنا
مذاق ہے۔ اسمیں جھگڑائی کوئی بات نہیں۔ خواہ کوئی کرے یا نہ کرے۔

نو وارد صاحب۔ سایہ کا وجود ہے یا نہیں یعنی اسکی ذات ہے یا نہیں۔
حضرت شیخ موعود۔ وجود کے معنی ہیں۔ مَا يَوْجَدُ۔ یعنی جو چیز پائی جائے۔
اسکی ماہیت ہو یا نہ ہو۔ مثلاً آپ آئینہ دیکھتے ہیں اسمیں اپنا چہرہ نظر آتا ہے۔ جو ایک
مستقل شے قائم بالذات نہیں ہے۔ لیکن تاہم اس کا کچھ وجود ضرور ہوسپ معلوم ہوا۔
کہ وجوہ اور چیز ہے قائم بالذات ہونا اور چیز ہے آفتاب نے تو اس جگہ بھی جہان ظل ہے دہوپ
ڈالنی ہے۔ لیکن ایک اور چیز نے درمیان آکر ظل پیدا کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا
کہ آفتاب اور ظل کے درمیان جب تک کسی چیز کی آڑ نہ ہو سایہ پیدا نہیں ہو سکتا
معلوم ہوتا ہے۔ آپ کو بھی وجودیت سے کچھ مذاق ہے۔ لیکن ہمارا خیال آپ کے
اس مذاق کے خلاف ہے۔

نو وارد صاحب۔ کُن کا اطلاق کہاں آتا ہے؟

حضرت شیخ موعود۔ بات یہ ہے۔ کہ انسان خواب کی حالت میں طرح طرح کے
تمثلات دیکھا کرتا ہے۔ اور بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کا کچھ وجود نہیں ہے۔ اور
یہی بات حکمانے لکھی ہے۔ پس جس طرح پر ہمارے تصورات تو محض بیج
ہیں۔ جن کا کچھ نتیجہ نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کے تصورات سے مخلوق پیدا ہو جاتی ہے۔
لیکن خدا تعالیٰ کی کنہ میں ہم دخل نہیں دے سکتے۔ اس لئے اس کا راستہ ہی ہے
کہ انسان کائنات دیکھ کر البصائر پر ایمان رکھے۔ اور اپنی کمزوری کو مد نظر رکھے
کہ یہ اسکا منصب نہیں ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات کی تحقیقات کر کے
ان کی کنہ تک پہنچ جائے۔ طبیعوں کا قول ہے۔ کہ پانی کی خاصیت سرد ہے
اور آگ کی گرم۔ لیکن انکی عقل یہ بتانے سے قاصر ہے کہ پانی کی ماہیت سرد
کیوں ہے۔ اور آگ کی گرم کیوں۔ بڑے بڑے فلاسفر خواص اشیاء کی کنہ بتانے

سے عاجز رہ گئے ہیں۔ اسلئے انسان اَفْوَضُ اَمْرِیٰ پر کاربند رہے۔ اور خدا پر
معاملہ چھوڑ دے۔ بعض اکابر مثلاً حضرت محی الدین ابن العربی کے بابے میں ہم کچھ نہیں
کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان کا حقیقی مذہب کیا تھا۔ اسلئے ان بحثوں میں پڑنا فصول ہے۔
بہت سے امور کا انکشاف مرنے کے بعد ہوگا۔ حضرت محی الدین ابن العربی کا
بھی قول ہے۔ کہ اگر انسان متقی ہو۔ اور خدا پر ایمان رکھتا ہو۔ تو وہ نجات پائیگا۔
(الحکم جلد ۶ صفحہ ۳۸)

۱۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء

بعد اداٹے نماز مغرب حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت
میں مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی نے اڈیٹر
شعنہ ہند میرٹھ کا ایک پوسٹ کارڈ سنایا۔ جس میں اس نے اپنا ایک خواب لکھا
تھا۔ کہ گویا وہ قادیان آیا ہے۔ اور اس نے حضرت مسیح موعودؑ کو ایسی حالت
میں دیکھا ہے۔ کہ سر پاؤں سے لگا ہوا ہے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-
تعبیر الرویا میں یہ صاف طور پر لکھا ہوا ہے۔ کہ جو لوگ مامورین کو بُری
صورت میں دیکھتے ہیں۔ وہ خود اپنی پردہ وری کرتے ہیں۔ مولوی مبارک علی صاحب
سیالکوٹی کے والد مرحوم نے ایک دفعہ مجھ سے ذکر کیا۔ کہ ایک ہندو ان
کے پاس آیا کرتا تھا جو اسلام کی طرف رغبت رکھتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب
کشمیر سے واپس آیا۔ اور اس سے پوچھا گیا۔ تو اس نے کہا۔ کہ اب وہ پکا ہندو ہو گیا
ہے۔ لیکن بعد کچھ عرصہ کے اسے عیسائی دیکھا گیا۔ وجہ دریافت کرنے پر اس نے
کہا۔ کہ اس نے خواب میں حضرت نبی کریم ص کو ایک تاریک کوٹھڑی میں دیکھا تھا۔
جس میں آگ جل رہی تھی۔ اور اس کے گرد پادری کھڑے ہیں جس سے اس نے یہ
نتیجہ نکالا۔ کہ حضرت نبی کریمؐ مغلوب ہو رہے ہیں۔ اور پادری غالب اور حق
پر ہیں۔ مولوی صاحب مرحوم کو چونکہ تعبیر کا علم نہ تھا۔ اسلئے خاموش ہو رہے
لیکن جب انہوں نے میرے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ تو میں نے اسکی وہی تعبیر
کی۔ جو اسکی موجودہ حالت پر صادق آتی تھی۔ چنانچہ کتاب تطہیر الانام میں
ایسا ہی لکھا ہے۔ کہ جب کوئی شخص کسی نبی۔ مامور و مرسل کو ردی حالت
میں دیکھتا ہے۔ مثلاً مجذوم یا برہنہ یا بُری غذا کھاتے تو یہ سب امور اسکی اپنی حالت کا

نقشہ ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء و مامورین آئینہ ہوتے ہیں اور ایسا خواب دیکھنے والے کو خود اس کی اپنی اصلی صورت دکھائی دیتے ہیں اور یہ بات خود ہماری تجربہ کردہ ہے۔ کہ جب کوئی شخص کسی مامور کو بڑی حالت میں خواب کے اندر دیکھتا ہے۔ تو جلد ہی اسکی اپنی حالت بُری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اسکی عقوبت کے دن قریب آ جاتے ہیں۔

نو وار د صاحب۔ میں مکہ معظمہ میں تھا۔ تو ایک شخص نے ایسا ہی خواب حاجی ادا اللہ صاحب کی خدمت میں سنایا تھا جسکی تعبیر انہوں نے بھی یہی کی تھی۔ کہ یہ خود اسکی اپنی حالت کا نقشہ ہے۔

اسکے بعد اڈیٹر الحکم نے جلسہ ندوۃ العلماء امرتسر کے حالات مسیح موعودؑ کی خدمت میں سنائے۔ جس کے بعد مولوی عبداللہ صاحب نے تہہ کے طور پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے کچھ حالات سنائے۔ بعد ازاں مولوی مبارک علی صاحب نے ایک واقعہ بیان کیا۔ اور پھر مولوی محمد علی صاحب نے اخبار آبرور لاہور سے اخبار پاؤنیئر الہ آباد کا منقولہ مضمون ”ایک مذہب نئے عنوان سے“ پڑھ کر حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں سنایا۔ جس میں ڈاکٹر ڈوئی کو دعوت مباہلہ دی گئی تھی۔ اسپر ریما رک تھا۔ نماز عشا سے فارغ ہو کر حضرت مسیح موعودؑ اندر تشریف لے گئے۔ رالحکم جلد ۶ء ۳۸

۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء

صبح کی نماز کے بعد حضرت مسیح موعودؑ سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ راستہ میں چند احباب نے اپنے خواب سنائے جس پر آپ نے فرمایا کہ:-

باطل میں جو طیاریاں حق کی طرف آنے کے لئے ہو رہی ہیں۔ یہ سب اس کے نظارے دیکھائے جا رہے ہیں۔ رویا کا بھی عجیب عالم ہوتا ہے۔ ظاہر میں جن باتوں کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ وہ وجود میں لا کر دکھائی جاتی ہیں۔ معدوم کو موجود اور موجود کو معدوم دکھایا جاتا ہے۔ اور عجیب و غریب قسم کے تغیرات نظر آتے ہیں۔ انسان کے جانور اور جانور کے انسان دکھائے جاتے ہیں۔

ہمارے موجودہ مخالفین اور دس برس پہلے کے مخالفین میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے۔ پہلے تو اپنے عقائد کو سچا ہی سمجھتے تھے۔ لیکن اب جو کچھ

کہتے ہیں وہ نفاق سے کہتے ہیں۔ ورنہ اپنے سابقہ غلط عقائد کی غلطیوں کو دل میں تسلیم کر چکے ہیں۔ ایک شخص جو اپنے تئیں سچا سمجھتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ پر پورا پورا بھروسہ رکھتا ہے۔ لیکن ہمارے مخالفین کو خدا پر بھروسہ نہیں۔ اسی لئے خواہ کئی ہزار روپیہ کا اشتہار دیا جائے۔ یہ لوگ مقابل ہو کر اپنے آپ کو نشانہ نہیں بناتے۔
مخالفین کی کمی اور اپنی جماعت کی ترقی کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

یہ فوق العادت ترقی نہ ہو۔ اگر تغیر واقع نہ ہوا ہو۔ ہمارے مخالفین کا خزانہ کم ہو رہا ہے۔ اور ہمارا ذخیرہ بڑھ رہا ہے۔ اگر ان لوگوں کے پاس اپنے عقائد کی سچائی کے دلائل موجود ہیں۔ تو وہ لوگوں کو ہماری جماعت میں شمولیت سے روک لیں اگر کوئی بڑا سیلاب آیا ہو اہو۔ اور کسی شخص کا گھر تباہ و برباد ہو رہا ہو۔ اور اسکے پاس اسے بچانے کا سامان بھی موجود ہو۔ تو کیا وہ اسے روکنے کی کوشش نہ کریگا۔ ہمارے پاس جو اس کثرت سے لوگ ہر روز بیعت کیلئے آتے ہیں۔ آخر مخالفین میں سے ہی آتے ہیں۔

ندوة العلماء امرتسر کے جلسہ کے بارہ میں فرمایا کہ:- اس موقع پر ہمارے رسالوں کی خوب اشاعت ہو گئی۔ جسکے ذریعہ سے بہت سے لوگ ہمارے سلسلہ سے واقف ہو جائیں گے۔ دہلی کے جلسہ سے پہلے نزول المسیح بھی تیار ہو جائے۔ تو بہتر ہو۔

اڈیٹر الحکم کو مخاطب کر کے حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-
میاں نبی بخش صاحب عرف عبدالعزیز صاحب نمبر دار بٹالہ کا توبہ نامہ جو اسنے ہمیں بھیجا ہے۔ اخبار الحکم میں چھاپ دیا جائے، اسکے متعلق آپ نے اپنا ایک رویا بھی سنایا۔ جو کئی بار سنایا جا چکا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ:-
گویا ہم اسی راستہ سے سیر کیلئے نکلے ہیں۔ تو اس بڑے درخت کے نیچے جو میرا بخش حجام کی حویلی کے پاس ہے۔ نبی بخش سامنے سے آکر ہمیں ملائے۔ اور ہم سے مصافحہ کیا ہے۔ یہ رویا ان ایام میں دیکھی گئی تھی۔

جبکہ ہماری مخالفت میں اشتہار چھپواتا پھرتا تھا۔
اپنی جماعت کی ترقی اور مولوی محمد حسین صاحب کے ابھی تک تین سو
تیرہ ہی کہتے رہنے پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

خدا کے فضل سے ہماری جماعت کی بڑے زور سے ترقی ہو رہی ہے۔ کیا وہ
نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ قہر ہے وہ ایک دم میں تین سو تیرہ سے تین لاکھ تیرہ ہزار کر سکتا ہے۔
یہ ترقی محمد حسین کے لئے تو اعجاز ہے۔ اگر وہ سوچے اور سمجھے۔ براہین احمدیہ
کو پڑھے۔ یہ کتاب مینے اب تو نہیں بنالی۔ جس میں صاف طور پر ذکر ہے۔ کہ تیرے
ساتھ فوجیں ہونگی باوجود ہمارے خالف مولویوں کی اس قدر مخالفت کے پھر
ہماری جماعت کا ترقی کرتے جانا معجزہ سے کم نہیں۔ پھر جب یہ لوگ اپنے
مخالفانہ ارادوں میں سخت ناکام ہو گئے۔ تو ہمارے نابود کرنے کے لئے
گورنمنٹ میں شکایات شروع کر دیں۔ تاکہ کسی نہ کسی طرح ہم پھنس جائیں۔
لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا ہر ایک منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ اور جس قدر زور
انہوں نے ہماری مخالفت میں لگایا۔ اسی زور سے اللہ تعالیٰ نے ہماری ترقی کی اور اب تو مردم شماری سے
کاغذات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہماری تعداد تین سو تیرہ ہے۔ یا ایک لاکھ کے قریب ہے۔
طاعون کے متعلق فرمایا کہ:-

ان طاعون کے مخالفین کو دو طرح پر گھسیا ہے کچھ تو مر جاتے ہیں اور اکثر ہمارے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں
اصل بات یہ ہے کہ بوجہ اچھی طرح سے بویا جائے۔ اور پھر اسپرین وقت پر
بارش بھی ہو جائے۔ تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے نشوونما پاتا اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔
دلوں کا کھینچنا اور قائم رکھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ان مخالفوں کو اگر اب
الوسفیان کی طرح نظارہ کرایا جائے۔ تو وہ حیران رہ جائیں۔ حضرت نبی کریمؐ
نے جب اسے اپنی فوج دکھائی۔ اور حضرت عباسؓ کو اس کے پاس کھڑا
رہ کر دکھانے کا ارشاد فرمایا۔ تو وہ یہ نظارہ دیکھ کر کہنے لگا۔ کہ تیرا بھتیجا بڑا
بادشاہ بن گیا ہے۔ تو جواباً اسے کہا گیا۔ کہ بادشاہ نہیں۔ یہ نبوت کا مقام ہے۔

برائین ائمہ کی تصنیف کے زمانہ پر نظر ڈالی جائے جس میں ہمارے انگریزی عربی الہامات درج ہیں اور جواب ج
نہیں کئے گئے بلکہ اسی زمانہ کے ہیں مثلاً اذہار نصر اللہ والفقہ والحق اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ!

مخلوق ہماری طرف رجوع کریگی۔ تو کہا جائیگا۔ ایسے ہذا بالحق۔ فقرہ
 فانتہی اموال الزمان الیسا عربی زبان کا ایک عجیب فقرہ ہے۔ کہ زمانہ کا
 رجوع ہماری طرف ہوگا۔ اور آخری فیصلہ ہمارے ہی حق میں ہوگا غرض
 اسمیں کامیابی کی بڑی بڑی پیشگوئیاں درج ہیں۔ جیسا یہ کہ بادشاہ تیرے
 کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض ملوک
 کو بھی اس طرف توجہ ہوگی۔ اور انہیں بھی اس سلسلہ کی اشاعت ہوگی۔
 ملوک اور روسا کے کان حق کے سننے سے بہرے ہوتے ہیں نہ خود ان کو
 حق کی تلاش کی عادت ہوتی ہے۔ اور نہ ان کے حاشیہ نشین ہی ایسے ہوتے ہیں
 عموماً ان کے مصاحب اور پاس رہنے والے بد وضع لوگ ہوتے ہیں۔ اسلئے
 اگر ملوک اور رؤسا دین کی طرف توجہ کریں۔ تو ان کے حاشیہ نشینوں کی
 مطلب برآری نہیں ہو سکتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے۔ کہ بادشاہ
 تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے۔ یہ برکت ڈھونڈھنے والے بیعت
 میں داخل ہونگے۔ اور ان کے بیعت میں داخل ہونے سے گویا سلطنت
 بھی اس قوم کی ہوگی۔ پھر کشفی رنگ میں مجھے بادشاہ دکھلائے بھی گئے۔ جو
 گھوڑوں پر سوار اور چھ سات سے کم نہ تھے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ
 کے کام تدبیر بھی ہوتے ہیں۔ جس زمانہ میں حضرت نبی کریمؐ مکہ کی گلیوں میں
 تکالیف اٹھاتے پھرتے تھے۔ تو اس وقت کون شخص خیال کر سکتا تھا۔ کہ
 اس شخص کا دین ساری دنیا میں غالب ہو جائیگا یہ علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور
 کسی کو نہیں ہوتا۔ صحابہ رض کے علم کا اثرہ بھی اشاعت اسلام کے متعلق اتنا
 وسیع نہ تھا۔ جتنا اب اسلام پھیلا ہوا ہے۔ وہ تو یقین کرتے تھے۔ کہ وہ فتح
 پالینگے۔ میرا مذہب تو یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ ہی علیم و خبیر ہے۔ یہ ضروری نہیں
 کہ پیغمبروں پر بھی تفصیلی حالات ظاہر کئے جائیں۔ جتنا علم اللہ تعالیٰ دینا پسند
 فرماتا ہے۔ اتنا دیدیتا ہے۔ اگر حضرت نبی کریمؐ اس زمانہ میں تشریف لے آئیں۔ تو اسلام
 کی وسعت اور ترقی دیکھ کر حیران رہ جائیں۔
 اپنے تائیدی ثبوتوں کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ :-

اب تو وہ اس کثرت سے ہو گئے ہیں کہ شمار میں بھی نہیں آ سکتے۔
 اور پھر انہیں ہر روز ترقی ہوتی رہتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ مجھے بارہا
 خیال آیا ہے کہ اگر کسی رئیس کو یہ خیال پیدا ہو۔ تو وہ ایک عام جلسہ کر کے
 ہم سے ترتیب وار اس سلسلے کی سچائی کے ثبوت بیان کرنے کے لئے کہے
 اور یہ ثبوت چار قسم کے ہیں۔ اول نصوص قرآنیہ وحدیثیہ۔ دوم آیات
 ارضیہ وسماویہ۔ سوم ضرورت مشہودہ ومحسوسہ۔ چہارم دلائل عقلیہ
 اگر امر تر جیسا جلسہ کیا جائے جس میں ۱۵ دن تک ہمارا عیسائیوں کا مباحثہ
 ہوتا رہا۔ اور قیصر سوم کی طرح جس نے ایک مذہبی جلسہ کیا تھا۔ مذہب کی تحقیق
 کے لئے یہی صرف تماشہ ہی کے لئے کیا جائے۔ اور اس طرح پر آہستگی
 سے منہاج نبوت پر ہمارے ثبوت سن لئے جائیں۔ تو بڑا مفید نتیجہ نکلے بیشک
 جس طریق پر حضرت موسیٰ کی نبوت حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء کی نبوت
 ثابت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کو پرکھا جائے۔

اسکے بعد مولوی محمد علی صاحب نے عرض کیا کہ لاہور سے کسی مار کوئیسی
 نام عیسائی نے بذریعہ خط دریافت کیا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں جو متی کی انجیل
 میں لکھا ہے کہ جھوٹے مسیح اور نبی آئیں گے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ
 اسکا جواب لکھ دیا جاوے۔ اور اس سے پوچھا جاوے کہ یہ جو انجیل میں لکھا
 ہے کہ چور کی طرح آؤنگا۔ اسکا کیا مطلب ہے؟ کیا مسیح کا نام منافق بھی ہے۔
 کہیں بادلوں میں آنا لکھا ہے۔ اور کہیں چور کی طرح۔ ہم تو حکم ہو کر آئے ہیں
 پہلے ان ساٹھ ستر اناجیل کا تو فیصلہ ہو لے کہ کون ان میں سے سچی ہے۔
 اور کون جھوٹی۔ ہم تو ایسے وقت آئے ہیں کہ اس آیت کو پیش کرتے ہوئے
 بھی انکو شرم آنی چاہئے۔ کیونکہ انکے حساب کے موافق تو مسیح کی آمد بریس
 برس گذر گئے اب تو قانونی میعاد بھی انکے ہاتھ میں نہیں رہی۔ اسلئے بعض
 اب مایوس ہو کر کلیسیا ہی کو مسیح کی آمد ٹھہراتے ہیں اور اسی قسم کی بیجا
 اور رکیک تاویلیں کرتے ہیں۔ پس اب جبکہ انکے حساب اور اعتقاد کے
 موافق اب سچے مسیح کو بھی قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔ تو پھر فرشتوں کیساتھ

آنا اور وہ جلالی آمد تو غلط ہی ٹہری چور کی طرح آنا ہی صحیح ثابت ہوا۔
 پہلے اپنے گھر میں اناجیل کا فیصلہ کر لیں۔ جموٹے مسیح جو لکھا ہے۔ تو اہتو پچے
 کا وقت بھی گزر گیا۔ تم خود بتاؤ۔ کہ یہ زمانہ پچے مسیح کا ہے۔ یا جموٹے مسیح کا۔
 تمہارے بزرگوں نے مان لیا ہے۔ کہ یہ زمانہ پچے مسیح کی آمد کا ہے۔ اسی لئے جو
 عقل مند ہیں۔ وہ اس مضمون کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ کیسی عجیب بات ہے۔ کہ اس
 صدی سے آگے نہ کوئی مسلمان گیا ہے۔ نہ عیسائی۔ نواب صدیق حسن خان
 نے لکھا ہے۔ کہ تمام کثوف اور اہام جو مسیح کے متعلق ہیں۔ وہ چودھویں
 صدی سے آگے نہیں جاتے۔ لودہانہ میں بھی ایک مرتبہ ایک عیسائی نے یہ
 سوال کیا تھا۔ مگر وہ ایسا لا جواب ہوا۔ کہ آخر اسنے اعتراف کر لیا اور بعض
 عیسائی اس سے ناراض ہو گئے۔ اسکے بعد مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی
 نے اپنی پنجابی نظم وفات مسیح پر پڑھی بعد نماز عشاء دربار ختم ہوا۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء | صبح کی سیر۔ آج کی سیر میں طاعون کے متعلق
 ادمر ادمر کی مختلف باتیں ہوتی رہیں۔ (اظہار)

تحفۃ الذوہ۔ ندوہ کے متعلق جو جدید اشتہار حضرت مسیح موعودؑ لکھا ہے۔
 وہ ایک جز کے قریب ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اب اسکو رسالہ کی صورت میں شائع
 کیا جائے۔ کتاب میں ایک برکت ہوتی ہے۔ لوگ اشتہار کو سمجھ کر پرواہ نہیں
 کرتے اسپرٹائٹل بیچ لگایا جائے۔ برہنہ مرد کب اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ٹائٹل
 بیچ اسکا لباس ہے اسکا نام تحفۃ الذوہ رکھ دو۔ آج تحفہ غزوہ بھی شائع ہو گیا
 چونکہ ندوہ کا اجلاس قریب ہے۔ اور کشتی نوح کی اشاعت میں بھی جلدی ہے
 کثرت کام کی وجہ سے جو چار پریسوں پر کام ہو رہا ہے۔ سب پتھر کے پڑے تھے
 عرض کیا گیا۔ کہ کشتی نوح کی اشاعت میں دیر نہ ہو جائے۔ فرمایا ٹیکہ کے متعلق جو
 ہمارا اصل مسئلہ تھا وہ الحکم کے ذریعہ شائع ہو گیا۔ اور گورنمنٹ تک بھی
 پہنچ گیا۔ اب اگر رسالہ دوروز توقف سے بھی شائع ہو جائے۔ تو کچھ ہرج نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ نے ایک باپٹسٹ گوتیوں کا نقشہ طیار کرنے کا ارشاد فرمایا۔
 جسپر وہ نقشہ طیار ہو گیا۔ اس کے متعلق آج یاد دہانی کرائی گئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ۔

وہ پیشگوئیاں اب کتاب نزول المسیح میں چھپ رہی ہیں۔ انکی عبارات کا چُست کرنا بھی ضروری تھا۔ اور اب اس کتاب سے نقشہ بھی مرتب ہو سکتا ہے۔

عبداللہ آتھم کی پیشگوئی کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:-
ہماری جماعت کو یہ سائل مستحضر ہونے چاہئیں۔ آتھم کے رجوع کے متعلق یاد رہے۔ کہ پیشگوئی کے سنتے ہی اسنے اپنی زبان نکالی اور کانوں پر ہاتھ رکھا۔ اور کانپا اور زرد ہو گیا۔ اور ایک جماعت کثیر کے سامنے اسکا یہ رجوع دیکھا گیا ہے۔ پھر اسپر خوف غالب ہوا۔ اور وہ شہر بشہر بھاگتا پھرا اور اپنی مخالفت کو چھوڑ دیا۔ اور کبھی اسلام کے خلاف کوئی تحریر شائع نہ کی۔ جب العامی اشتہار دیکر قسم کے لئے اسے بلایا گیا۔ تو وہ قسم کھانے کو نہ آیا۔ اخفائے شہادت حقہ کی پاداش میں اس پیشگوئی کے مطابق جو اسکے حق میں کی گئی تھی۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ یہ باتیں اگر ایک عیسائی منصف کے سامنے بھی پیش کی جائیں۔ تو اسے بھی انکی سچائی تسلیم کرنی پڑیگی۔ غرض اس طرح پر سائل کو یاد رکھنا ہر ایک کا فرض ہے۔ اور ہماری کتابوں کا دیکھنا نہایت ضروری ہے۔

رفع کے متعلق فرمایا کہ:- اسکے متعلق جو ہمارے مخالف اعراض کرتے ہیں۔ اسکے لئے یہ سمجھنا چاہئے۔ کہ رفع سے یہودی تو یہی سمجھتے ہوئے تھے۔ کہ جب پر خدا کی لعنت پڑے اسکی روح آسمان پر نہیں جاتی۔ اُن کا کلب یہ مذہب تھا۔ کہ نجات کے لئے مع جسم آسمان پر جانا ضروری ہے۔ پس یہودیوں کی اصل غرض مسیح کو صلیب دینے سے یہی تھی۔ کہ ان کا روحانی رفع نہ ثابت ہو۔ ان کے جسم سے انہیں کیا کام تھا۔ ابد تعالیٰ کا قرآن شریف کے ذریعہ سے اسی اختلاف کا رفع کرنا۔ اور انکی غلط فہمی کو دور کرنا مقصود تھا۔ اب اگر رفع سے مراد جسمانی رفع ہے۔ تو یہودیوں کے اصل الزام سے حضرت مسیح کی برکت کہاں سے ثابت ہوئی۔ اسی طرح پر ہماری جماعت کے آدمیوں کو ہر قسم کے اعتراضات کے جوابات پہاڑوں کی طرح یاد ہونے چاہئیں۔

مستحضر جواب دینا ہر ایک کا کام نہیں۔ اگر بچکا اور معقول جواب نہ دیا جائے۔ تو عذر نامعقول ثابت کند الزام را۔ کامعاملہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کی سچائی کے تو ایسے ایسے دلائل دیدئے ہیں۔ کہ اگر وہ یاد ہوں۔ تو کبھی قسم کی مشکل ہمارے آدمیوں کو نہ ہو۔ میرا ارادہ ہے۔ کہ اس کتاب کے بعد پھر امتحان کی صورت رکھی جائے۔ رؤسایں سے اگر کسی کو خیال آجائے۔ کہ اسلام میں بھوٹ پڑ رہی ہے۔ اور وہ اس فیصلہ کو دینے کا ذمہ لیکر ایک جگہ کرائے رتا کہ تفرقہ دور ہو جائے۔ اور لوگ سچائی کی طرف آجائیں۔ طاعون کے متعلق فرمایا کہ:- سارے نبی اس کے متعلق پیشگوئی کرتے آئے ہیں۔ کہ مسیح موعود کے وقت میں شدت سے طاعون پھیلے گی۔“

(الحکم جلد ۶ ص ۳۸)

۱۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء نماز شام سے فارغ ہو جانے کے بعد مولوی سید محمود شاہ صاحب نے جو سہارنپور سے تشریف لائے ہوئے

تھے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کی کہ انہوں نے آج تحفہ گولڑویہ اور کشتی نوخ کے بعض مقامات پڑھے ہیں اور وہ ایک مرجو اگرچہ فروعی ہے دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم لوگ عموماً بعد نماز دعا مانگا کرتے ہیں۔ لیکن یہاں توافل تو خیر فرائض نماز کے بعد بھی لوگ دعا مانگتے تھے حضرت مسیح موعودؑ۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ ہم دعا مانگنے سے تو منع نہیں کرتے۔ اور ہم خود بھی دعا مانگا کرتے ہیں۔ اور صلوٰۃ بجائے خود دعا ہی ہے۔ لیکن مینے اپنی جماعت کو نصیحت کی ہوئی ہے۔ کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ عام بدعت پھیل رہی ہے۔ کہ وہ تعدیل ارکان نماز کو پورے طور پر ملحوظ نہیں رکھتے۔ اور ٹھونگے دار نماز پڑھا کرتے ہیں۔ گویا نماز کو ایک ٹیکس سمجھا ہوا ہے۔ جس کا ادا کرنا انہیں بوجہ معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے اس طریق سے جلدی جلدی ٹھونگیں مار کر ادا کرتے ہیں۔ جس میں سخت کراہت پائی جاتی ہے۔ حالانکہ نماز ایک ایسی شے ہے۔ کہ جس سے ذوق۔ انس اور روحانی سرور بڑھتا ہے۔ لیکن جس طور پر عام مسلمان نماز کو ادا کرتے ہیں۔ اس سے حضور قلب کبھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بے ذوقی اور بے لطفی پیدا ہوتی ہے۔

اسلئے میں نے اپنی جماعت کو نصیحت کی ہوئی ہے۔ کہ وہ بیذوقی اور بے حضوری پیدا کرنے والی نماز نہ پڑھیں۔ بلکہ ایسے حضور قلب سے اسے ادا کریں۔ کہ جس سے ان کو سرور اور ذوق حاصل ہو۔ عام طور پر نماز کو اس طرح سے ادا کیا جاتا ہے۔ کہ حضور قلب پیدا کرنے کی کچھ کوشش نہیں ہوتی۔ بلکہ اسے جلد جلد ختم کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ اور اسے ختم کر کے بعد نماز بڑی بڑی لمبی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ نماز کا جو مومن کی معراج ہے۔ یہ مقصد ہے۔ کہ اس کے اندر ہی دعا کی جائے۔ اسی لئے اہل اہلاد عبید اہل اہل الصراط المستقیمؑ کو اس کے اندر رکھا ہے۔ انسان خدا تعالیٰ کا قرب کبھی حاصل نہیں کر سکتا جتنک کہ اقامہ الصلوٰۃ نہ کرے اقیمو الصلوٰۃ کے الفاظ قرآن نے اسی لئے فرمائے۔ کہ نماز گری پڑتی ہے۔ لیکن جو شخص نماز کو قائم کرتے ہیں۔ تو وہ اس کی روحانی صورت سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ اور اسی کے اندر دعائیں محو ہو جاتے ہیں۔ نماز ایک ایسا شربت ہے۔ کہ جو شخص اسے ایک بار پی لے وہ اس کی لذت کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ اور ہمیشہ اس سے سرشار اور مست رہتا ہے۔ اس سے اس قسم کی محویت حاصل ہوتی ہے۔ کہ اگر ساری عمر میں ایک بار بھی اسے چکھ لے۔ تو ہمیشہ اس کا اثر رہتا ہے۔

مومن کو بیشک ہر وقت اٹھتے بیٹھتے دعاؤں میں مصروف رہنا چاہیئے لیکن نماز کے بعد جو دعاؤں کا طریق اس ملک میں رائج ہے۔ وہ نہایت عجیب ہے۔ بعض مباحہ میں تو اس قدر لمبی دعائیں بعد نماز مانگی جاتی ہیں کہ اس عرصہ میں ایک شخص نصف میل سفر کر سکتا ہے۔ اسلئے میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے۔ کہ اپنی نمازوں کو سنوارو۔ کیونکہ یہی اصل دعا ہے غور کرنے کی بات ہے۔ کہ بعض لوگ تیس تیس سال تک متواتر نمازیں پڑھتے رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی روحانی لذت سے کورے کے کورے ہی رہتے ہیں۔ اور کوئی اثر روحانیت اور خشوع و خضوع کا انہیں پیدا نہیں ہوتا وجہ یہ ہے۔ کہ وہ نمازوں کو اس طرح سے پڑھتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ ایسی بیذوقی کی نماز کے لئے ویل کا لفظ آیا ہے۔

دیکھو۔ جس شخص کے پاس ایک اعلیٰ درجہ کا جوہر ہو۔ تو کیا وہ اسے کوڑیوں اور پیسوں کے عوض پھینک دیگا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ پہلے وہ اس جوہر کی حفاظت کا انتظام کرے گا۔ پھر اسکے بعد پیسوں اور کوڑیوں کو سنبھالے گا۔ اسلئے نماز جیسی اعلیٰ چیز کو پہلے سنبھالنا نہایت ضروری ہے۔ اور اسے سنوار سنوار کر اور سمجھ کر پڑھنا چاہیئے۔

سائل:- بیشک الحمد للہ دعا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو عربی کا علم نہیں ہے انہیں تو نماز کے بعد اپنی زبان میں دعا مانگنی چاہیئے؟
حضرت مسیح موعود:- ہم نے اپنی جماعت کو تاکید کر رکھی ہے۔ کہ نماز کو طوطے کی طرح ست پڑ ہو۔ قرآن شریف کے جواں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ادعیہ مانورہ کے جو حضرت نبی کریم کا معمول تھیں۔ بغیر نماز بابرکت نہیں ہو سکتی۔ اسلئے ان کو تو ضرور نمازیں حسب معمول پڑھنا چاہیئے۔ لیکن خشوع اور خضوع پیدا کرنے کیلئے اگر اپنی مادری زبان میں بھی ادعیہ مانورہ کے بعد دعائیں مانگ لی جائیں۔ تو بہت بہتر ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو عربی زبان نہیں سمجھ سکتے۔ رکوع میں سجدہ میں۔ التحیات و قیام و جلسہ میں جہاں موقع ملے اپنی مادری زبان میں بعد مانورہ دعاؤں کے دعائیں مانگنی چاہئیں۔ ان ہدایات کی پابندی میں میری جماعت کے لوگ اپنی نمازوں کے اندر ہی جملہ حاجات کے لئے دعائیں مانگ لیتے ہیں۔ اور یہی میرا اپنا معمول ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک عربی اور پنجابی زبانیں یکساں ہیں تاہم چونکہ انسان کو اپنی مادری زبان کے ساتھ ایک قدرتی ذوق ہوتا ہے۔ اسلئے نمازوں کے اندر اپنی مادری زبان میں نہایت خشوع اور خضوع سے اپنے مطالب کو بارگاہ رب العزت میں عرض کرنا چاہیئے۔ میں نے بارہا سمجھایا ہے۔ کہ نمازوں کا تہجد کرو۔ اور انکو ایسے طور پر ادا کرو جس سے حضور قلب اور ذوق پیدا ہو۔ فریضہ نمازیں تو باقاعدہ جماعت کے ساتھ ادا کرو۔ اور نوافل و سنن کو جتنا چاہو۔ طول دیکر عاجزی سے ادا کرو۔ اور خدا کے حضور ان کے اندر گریہ و بکا کرو۔ تاکہ تمہارے اندر وہ حالت پیدا ہو جائے جو نماز کا اصل مطلب ہے۔ نماز ایک ایسی شے ہے۔ کہ جو ہر قسم کی بدیوں